بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خصائل نبوی ﷺ

کا دل آویز منظر

تالیف

مولانا عبدالقیوم حقانی

القاسم اکیڈمی • جامعہ ابوہریرہ

خالق آباد ○ ضلع نوشہرہ ○ سرحد پاکستان

نام	:	خصائل نبوی ﷺ کا دلآویز منظر
تصنیف	:	عبدالقیوم حقانی
ضخامت	:	166 صفحات
پروف ریڈنگ	:	استاذ العلماء مولانا محمد زمان صاحب مدظلہ
کمپوزنگ	:	مولوی گل رحمن رکن القاسم اکیڈمی
تاریخ اشاعت	:	رمضان ۱۴۲۶ھ/اکتوبر 2005ء
تعداد بار اول	:	1100
قیمت	:	
ناشر	:	القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ

ملنے کے پتے

- صدیقی ٹرسٹ صدیقی ہاؤس المنظر اپارٹمنٹس ۴۵۸ گارڈن ایسٹ نزد لسبیلہ چوک کراچی ۷۴۸۰۰
- مولانا سید محمد حقانی مدرس جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ
- کتب خانہ رشیدیہ مدینہ کلاتھ مارکیٹ، راجہ بازار راولپنڈی
- زمزم پبلشرز نزد مقدس مسجد اردو بازار کراچی
- مولانا خلیل الرحمن راشدی، جامعہ ابوہریرہ وچھوں سوم سیالکوٹ
- مکتبہ سید احمد شہید ۱۰ الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور
- اس کے علاوہ اکوڑہ خٹک اور پشاور کے ہر کتب خانہ میں یہ کتاب دستیاب ہے

خصائل اور شمائل نبوی ﷺ
پر
مولانا عبدالقیوم حقانی
کی علمی اور عظیم تاریخی کاوشیں

القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ

فون نمبر (0923)630237—630094

ہر ذرہ تیرے کوچے کا آنکھوں سے [illegible] لوں
ممکن ہے کسی پر تیرا نقشِ کفِ پا ہو

مجھ کو کچھ ہوش نہیں ہے میری منزل ہے کہاں
قدمِ شوق مگر ہیں کہ اُٹھے جاتے ہیں

عارفی اپنی ان آہوں کا اثر ہو کہ نہ ہو
اپنے کرنے کا ہے جو کام کیئے جاتے ہیں

فہرستِ مضامین

خصائل نبوی ﷺ کا دلآویز منظر

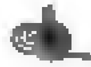

مُقدّمہ

الحمد لحضرة الجلالة والصلوة والسلام علی خاتم الرسالة

"چمنستان دہر میں بارہا روح پرور بہاریں آچکی ہیں، چرخ نادرہ کار نے کبھی کبھی بزم عالم اس شان سے سجائی کہ نگاہیں خیرہ ہو کر رہ گئیں، لیکن آج کی تاریخ وہ تاریخ ہے جس کے انتظار میں پیر کہن سال دہر نے کروڑوں برس صرف کئے۔ سیارگان فلک اسی دن کے انتظار میں ازل سے چشم براہ تھے، چرخ کہن مدت ہائے دراز سے اسی صبح جاں نواز کے لئے لیل ونہار کی کروٹیں بدل رہا تھا، کارکنان قضا وقدر کی بزم آرائیاں، عناصر کی جدت طرازیاں، مہ وخورشید کی فروغ انگیزیاں، ابر وباد کی تردستیاں، عالم قدس کے انفاس پاک، توحید ابراہیمؑ، جمال یوسفؑ، معجز طرازئ موسیٰؑ، اسی لئے تھی کہ یہ متاع ہائے گراں بہا تاجدار عرب وعجم ﷺ کے دربار گہربار میں کام آئیں گی۔

"آج کی صبح وہ صبح جہاں نواز، وہ ساعت ہمایوں، وہ دور فرخ فال ہے کہ آج توحید کا غلغلہ بلند ہوا، بتکدوں میں خاک اڑنے لگی، نفرت وکدورت کے اوراق خزاں دیدہ ایک ایک کر کے جھڑنے لگے، محبت اور اخوت کے پھول مہک اٹھے، چمنستان سعادت میں بہار آگئی، شبستان حیات جگمگا اٹھی، اخلاق انسانی کا آئینہ پرتو قدس سے چمک اٹھا، ابراہیمؑ کی دعا قبول ہوئی، نطق عیسیٰؑ کی تبشیر وجود میں آئی، کبھی نہ غروب ہونے والا آفتاب افق سے نکلا، جمعیت خاطر اور اطمینان قلب کے لئے ٹھوس عقیدے اور جامع نظام دستور کی پوری ہوگئی۔

اوپر کے یہ الفاظ برصغیر پاک و ہند کے نامور انشاء پرداز اور ممتاز سیرت نگار مولانا شبلی نعمانی" کے ہیں۔ شبلی نے بلاشبہ اپنا سارا سرمایۂ ادب و انشاء لا کر بارگاہ نبوت میں ڈھیر کر دیا ہے، ہر لفظ کوثر و تسنیم سے دھلا ہوا اور ہر حرف محبت کی ٹکسال میں ڈھلا ہوا ہے۔ مرحوم نے اپنے گلشن عشق کے عقیدت کی خوشبو میں رچے ہوئے سارے پھول اس جہاں بہار کے حضور نذر کر دیے ہیں اور اپنے سیکڑوں دل کے محبت سے لبالب بھرے ہوئے جام اس رونق بزم کے نام پر لنڈھا دیے ہیں۔ شبلی نے عمر بھر میں جو علم کے موتی چنے، ادب کے نگینے جمع کیے اور نظم و نثر کے جواہر پارے اکٹھے کئے، ان سب کو طشت دل میں سجایا اور جا کر سرور کائنات ؐ کی جناب میں لٹا دیا، کہ یہی ان کے مراقبہ و مشاہدہ کی کل متاع تھی جو انہوں نے ٹھکانے لگا دی۔

ایک شبلی" پر کیا موقوف اس بارگاہ عرش پایہ میں غزالی" اپنی تحسین، رازی" اپنا جناب، فارابی" اپنی حیرت، بوعلی سینا اپنی حکمت، رومی" اپنا سوز و ساز اور قدسی" اپنا اعجاز نثار کر بیٹھے، آج جمشید و فریدوں ہوتے تو اپنا جام جہاں نما بلا تکلف سفال مدینہ پر قربان کر دیتے اور دارا و سکندر اپنے تاج سر اور تخت سکندری پر مدینے کی چاکری کو ترجیح دیتے۔ تاجدار" الفقر فخری " کی سرکار میں جنید و بایزید بھی اونچی سانس نہ لے سکے۔ وہ بارگاہ عالم پناہ جہاں طائر سدرہ نشیں مرغ سلیمان عرب بن کر مژدہ بلقیس شفاعت لائے۔ اس ذات کی محفل قدس کا کیا کہنا جس کا دود چراغ ہمیشہ غازۂ روئے قمر ٹھہرا، اس چمنستان حسن کی کیا بات ہے جس کا ہر گل و ریحان لوث خزاں سے پاک رہا، اس دریائے رحمت کا کیا بیان کہ کوثر و تسنیم جس کی دو بوندیں قرار پائیں اور اس چشمہ بقا کی حد کمال کہاں کہ جس کے کٹوروں کا دھوون آب حیات بن گیا۔ سچی بات یہ ہے کہ دنیا کا بڑے سے بڑا مضمون نگار خواہ سو رنگ سے مضمون باندھے اور ہر رنگ میں سو ڈھنگ اپنائے پھر بھی وہ یہ نہیں کہہ پائے گا کہ ع تو کائنات حسن ہے یا حسن کائنات

جناب رسالت مآب ﷺ نے جس ٹھوس عقیدے اور جامع نظام کی بنیاد رکھی وہ تاریخ انسانی کا عظیم ترین اور ہمہ گیر انقلاب ہے، اگرچہ یک رخے انقلاب کئی آئے اور

اپنی پوری مدت پوری کر کے چلے بنے۔ بہت کم ایسا ہوگا بلکہ معلوم تاریخ میں قطعاً ایسا نہیں ہوا کہ تیس برس کے قلیل عرصے میں دس بیس افراد نہیں پوری سوسائٹی اپنے مزاج اور کردار میں ایسی تبدیلی پیدا کر لیتی ہے کہ جزیرہ نمائے عرب سے باہر کی دنیا ایک نئے انسان سے متعارف ہوتی ہے اس انقلاب سے پہلے عرب کا بدو راہزن تھا اب راہبر کے منصب پر فائز ہو گیا۔ اس سے پہلے وہ قتل و غارت کا خوگر تھا۔ اب وہ مظہر رحمت کا پیمبر بن گیا، اس سے پہلے وہ خود پرست تھا اب وہ خدا پرست بن گیا، اس سے پہلے وہ جاہلیت کا پیکر تھا اب وہ معرفت کے درس دینے لگا، اس سے پہلے وہ نسب اور خاندان کا اسیر تھا اب وہ بین الاقوامیت کا سفیر نظر آتا ہے۔ اور اس سے پہلے وہ آتش بجاں تھا اب وہ گل بداماں دکھائی دیتا ہے، اور لطف یہ ہے کہ اتنے عظیم الشان انقلاب کے پیچھے کوئی فوج اور سپاہ نظر نہیں آتی فقط اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی نگاہ کارفرما رہی۔

---------- O ----------

انقلاب فرانس کو دنیا میں ایک ممتاز مقام حاصل ہے آج کی سائنسی ترقی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انقلاب فرانس کا فیض ہے، روشن خیالی کا چشمہ انقلاب فرانس سے پھوٹا مگر اس دور انقلاب میں مارٹن لوتھر کے ساتھیوں پر کیا بیتی؟ اس پر تاریخ کے اوراق گواہ ہیں۔ عیسائیت کے تقدس اور تحفظ کے نام پر پورا یورپ "پھانسی گھر" بن گیا، گیلیو اور برونو کی داستانیں آج بھی یورپ میں زبان زد عام ہیں۔

روس کا بالشویکی انقلاب بھی بلاشبہ بہت بڑا واقعہ ہے مگر وہاں کے کسانوں اور مزدوروں نے اس کی کیا قیمت چکائی؟ یہ بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، ایک لاکھ چھیانوے ہزار مزدور اور آٹھ لاکھ نوے ہزار کسان اس انقلاب کے تنور کا ایندھن بنے، اور سٹالن نے اپنے دور حکومت میں تیس ہزار سرکاری ملازمین مروائے اور سائبیریا کے یخ بستہ جہنم کے چرچے شکست روس تک عام رہے ہیں پردے اب اٹھ رہے ہیں اور معلوم ہو رہا ہے کہ اس انقلاب نے گندم کے ایک ایک دانے کے عوض ایک ایک انسانی جان کی قیمت وصول کی ہے اور تن ڈھانپنے کے بدلے میں لباس عصمت تار تار کیا ہے، جرمن قوم آج بھی نسلی تفاخر

کے نشے میں دھت ہے، اسی نسلی گھمنڈ نے ہٹلر کو جرمنوں کی آنکھ کا تارا بنایا، اور اس نے عظمتِ رفتہ کی بحالی کا نعرہ لگایا اور یہی نعرہ جنگِ عظیم دوم کا پہلا شعلہ بنا اور یہ شعلہ آگ کا وہ الاؤ ثابت ہوا جس میں ستر لاکھ انسان جل کر کوئلہ ہو گئے اور اتنی ہی تعداد زخم چاٹنے والوں اور معذوروں کی سامنے آئی۔ ہٹلر کی آپ بیتی میں "کیمف" یعنی میری جدوجہد کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کے ایک ایک لفظ کے لئے ۱۲۵، ہر صفحے کے لئے ۴۷۰۰ اور ہر باب کے لئے بارہ لاکھ جانیں ضائع ہوئیں، اور اس سب کا حاصل؟ خودکشی، رسوائی اور پسپائی۔ چین کا کمیونسٹ انقلاب بھی بہت بڑا انقلاب ہے مگر لانگ مارچ سے لے کر تیان من سکوائر تک پھیلے ہوئے لاشوں کے ڈھیر اس انقلاب کی "افادیت" کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

O

ان سب کے مقابلے میں ایک انقلاب محمدی ہے جو اپنے جلو میں بشریت کا لہو نہیں انسانیت کی آبرو لے کر آیا، اس کے برپا ہونے سے موت کا اندھیرا نہیں چھایا بلکہ زندگی کا سویرا طلوع ہوا۔ اس نے کشتوں کے پشتے نہیں لگائے بلکہ حسن و محبت کے بوٹے اگائے، وہ کسی جنگِ عظیم کا پیش خیمہ نہیں بنا بلکہ کاروانِ امن کا ہراول دستہ ثابت ہوا، یہ قافلۂ انقلاب دارارقم سے نکل کر فتح مکہ پر اپنا سفر مکمل کرتا ہے مگر اس عرصے میں اتنا خون بھی نہیں بہا جتنا کہ روزانہ کسی بڑے ہسپتال میں صحت پانے کی غرض سے آپریشن کے دوران بہہ جاتا ہے

اس انقلاب کی ایک اور خوبی بھی ہے کہ وہ حالات بظاہر انقلاب کے لئے سازگار اور اس کے متقاضی نہیں تھے، یوں لگ رہا تھا کہ چار ہزار سال سے تعمیر کیا گیا تہذیب کا وہ قصرِ مشید دھڑام سے گرنے والا ہے اور انسانی سوسائٹی اس میں دب کر آنے والی کئی صدیوں تک چیختی کراہتی رہے گی۔ اس دور میں جزیرۃ العرب اعتقادی، سیاسی، معاشرتی، معاشی اور تہذیبی اعتبار سے ناقابلِ رشک کیفیت سے گزر رہا تھا، عرب اعتقادی طور پر بالکل نچلی سطح پر پہنچ چکے تھے اس سے آگے شرفِ انسانی کی توہین کی کوئی منزل نہیں تھی، ملائکہ پرستی، جنات پرستی، بت پرستی، ستارہ پرستی نجانے کتنی "پرستیاں" انہیں جونک کی طرح چمٹی ہوئی تھیں ہر قبیلے کا الگ بت اور ہر ایک کا جداگانہ طرزِ پرستش۔ عرب بلاشبہ فصیح تھے مگر

شجاعت پر سنگدلی کا گمان گزرتا تھا، عرب قادر الکلام تھے مگر زیادہ تر ہجویہ اشعار میں اپنا زور صرف کرتے تھے، وہ جفاکش تھے مگر ساتھ ساتھ برادر کش بھی، وہ مہمان نواز تھے مگر ان کا دسترخوان زیادہ تر چوری اور راہزنی کے اسباب سے سجا ہوتا تھا، ان کی سیاست میں انفرادیت کا رجحان تھا، کوئی مرکزی نظم نہ تھا کوئی باقاعدہ نظامِ عدل و انصاف بھی نہ تھا، سارا معاشرہ قبائلی فضا میں سانس لے رہا تھا، جس کے نتیجے میں ایک طرح کی طوائف الملوکی تھی ۔ اعتقادی پستی کے اس ماحول میں حضور ﷺ نے عقیدۂ توحید پر مبنی انقلابی نظام قائم کر کے وحدتِ انسانی کا سنگِ بنیاد نصب فرما دیا۔ انفرادیت پسندی اور خود پسندی کی اس فضا میں اجتماعی نظم اور خدا پرستی کا نمونہ پیش کیا گیا حتیٰ کہ مذہبی آداب و شعائر تک میں اجتماعیت کا رنگ غالب کر دیا اور یوں آنے والے وقتوں میں بین الاقوامی اداروں کی تشکیل کی راہ ہموار کر دی۔ گلے سڑے معاشرے میں حیات افروز رجحانات کو فروغ دے کر سوسائٹی میں امن، اخوت، ایثار، عدل، اطاعت اور روحانیت کی لہر دوڑا دی۔

O

قبائلی عصبیت کا رخ موڑ کر اسے اسلامی عصبیت میں بدل دیا اور یوں ذاتی اغراض کی جنگ کو ختم کر کے کفر، باطل، ظلم، فساد اور طغیان کے خلاف لوگوں کو مورچہ بند کر دیا اس طرح نفرت کا ہدف انسان کے بجائے اس میں پائی جانے والی برائی کو بنا دیا، تاکہ اس برائی کے خلاف جہاد کر کے انسان کو اس کے مقامِ انسانیت سے آگاہ کیا جا سکے، آج دنیا یو این او کے چارٹر سے آگاہ ہے جنیوا کنونشن بھی موجود ہے، مثلاً ہیومن رائٹس کے کمیشن بھی دنیا بھر میں کام کر رہے ہیں، نت نئے ورلڈ آرڈر بھی متعارف ہو رہے ہیں، نیو سوشل کنٹریکٹ کی باتیں بھی ہوتی ہیں اور لوگ نیشنلزم سے انٹرنیشنلزم کی طرف بڑھ رہے ہیں لیکن یہ سب کچھ خواب و خیال تھا اور وہم و گمان ہوتا اگر قدیم و جدید کے سنگم پر وہ ذاتِ ستودہ صفات تشریف فرما نہ ہوتی جس نے عہدِ قدیم کو پاش پاش ہونے سے بچایا اور عصرِ جدید کو نئے خطوط فراہم کر کے آگے بڑھنے کے قابل بنا دیا۔ آج کائنات کو جس طرح ہزاروں برس پہلے مرحلۂ انتظار سے گزرنا پڑا، تب جا کر معنی دریاب نصیب ہوا، اسی طرح آج بھی قافلہ ہائے رنگ و بو کو اپنی تلاش کا سفر

مُقَدِّمَة

الحمد لحضرة الجلالة والصلوٰة والسلام علی خاتم الرسالة

"چمنستان دہر میں بارہا روح پرور بہاریں آچکی ہیں، چرخ نادرہ کار نے کبھی کبھی بزم عالم اس شان سے سجائی کہ نگاہیں خیرہ ہو کر رہ گئیں، لیکن آج کی تاریخ وہ تاریخ ہے جس کے انتظار میں پیر کہن سال دہر نے کروڑوں برس صرف کیے۔ سیارگان فلک اسی دن کے انتظار میں ازل سے چشم براہ تھے، چرخ کہن مدت ہائے دراز سے اسی صبح جاں نواز کے لئے لیل و نہار کی کروٹیں بدل رہا تھا، کارکنان قضا وقدر کی بزم آرائیاں، عناصر کی جدت طرازیاں، مہ و خورشید کی فروغ انگیزیاں، ابر و باد کی تردستیاں، عالم قدس کے انفاس پاک، توحید ابراہیمؑ، جمال یوسفؑ، معجز طرازئی موسیٰؑ، اسی لئے تھی کہ یہ متاع ہائے گراں بہا تاجدار عرب وعجم ﷺ کے دربار گہربار میں کام آئیں گی۔

"آج کی صبح وہ صبح جہاں نواز، وہ ساعت ہمایوں، وہ دور فرخ فال ہے کہ آج توحید کا غلغلہ بلند ہوا، بتکدوں میں خاک اڑنے لگی نفرت و کدورت کے اوراق خزاں دیدہ ایک ایک کر کے جھڑنے لگے، محبت اور اخوت کے پھول مہک اٹھے، چمنستان سعادت میں بہار آگئی، شبستان حیات جگمگا اٹھی، اخلاق انسانی کا آئینہ پرتو قدس سے چمک اٹھا، ابراہیمؑ کی دعا قبول ہوئی "نغمۂ عیسیٰ" کی تبشیر وجود میں آگئی، کبھی نہ غروب ہونے والا آفتاب افق سے نکلا، جمعیت خاطر اور اطمینان قلب کے لئے ٹھوس عقیدے اور جامع نظام دستور کی کمی پوری ہوگئی۔

---------------- O ----------------

اوپر کے یہ الفاظ برصغیر پاک و ہند کے نامور انشاء پرداز اور ممتاز سیرت نگار مولانا شبلی نعمانی" کے ہیں۔ شبلی نے بلاشبہ اپنا سارا سرمایۂ ادب و انشاء لا کر بارگاہِ نبوت میں ڈھیر کر دیا ہے، ہر لفظ کوثر و تسنیم سے دھلا ہوا اور ہر حرف محبت کی ٹکسال میں ڈھلا ہوا ہے۔ مرحوم نے اپنے گلشنِ عشق کے عقیدت کی خوشبو میں رچے ہوئے سارے پھول اس جانِ بہار کے حضور نذر کر دیے ہیں اور اپنے میکدۂ دل کے محبت سے لبالب بھرے ہوئے جام اس رونقِ بزم کے نام پر لنڈھا دیے ہیں۔ شبلی نے عمر بھر میں جو علم کے موتی چنے، ادب کے نگینے جمع کیے اور نظم و نثر کے جواہر پارے اکٹھے کیے۔ ان سب کو طشتِ دل میں سجایا اور جا کر سرورِ کائنات ؐ کی جناب میں اتار دیا، کہ یہی ان کے مراقبہ و مشاہدہ کی کل متاع تھی جو انہوں نے ٹھکانے لگا دی۔

ایک شبلی" پر کیا موقوف اس بارگاہِ عرش پایگاہ میں غزالی" اپنی تحقیق، رازی" اپنا پیچ و تاب، فارابی" اپنی حیرت، بو علی سینا اپنی حکمت، رومی" اپنا سوز و ساز اور قدسی اپنا انداز نثار کر بیٹھے، آج جمشید و فریدوں ہوتے تو اپنا جامِ جہاں نما بلا تکلف سفالِ مدینہ پر قربان کر دیتے اور دارا و سکندر اپنے تاجِ سر اور تختِ سکندری پر مدینے کی چاکری کو ترجیح دیتے۔ تاجدار" الفقر فخری " کی سرکار میں جنید و بایزید جیسی اونچی سانس نہ لے سکے۔ وہ بارگاہِ عالم پناہ جہاں طائرِ سدرہ نشیں مرغِ سلیمان عرب بن کر حرزِ بلقیس شفاعت لائے۔ اس ذات کی محفلِ قدس کا کیا کہنا جس کا دودِ چراغ ہمیشہ غازۂ روئے قمر ٹھہرا، اس چمنستانِ حسن کی کیا بات ہے جس کا ہر گل و ریحان لوٹِ خزاں سے پاک رہا، اس دریائے رحمت کا کیا بیان کہ کوثر و تسنیم جس کی دو بوندیں قرار پائیں اور اس چشمۂ بقا کی حدِ کمال کہاں کہ جس کے کٹوروں کا دھوون آبِ حیات بن گیا۔ یہی بات یہ ہے کہ دنیا کا بڑے سے بڑا مضمون نگار خواہ سو رنگ سے مضمون باندھے اور ہر رنگ میں سو ڈھنگ اپنائے پھر بھی وہ یہ نہیں کہہ پائے گا کہ ع تو کائناتِ حسن ہے یا حسنِ کائنات

جنابِ رسالت مآب ﷺ نے جس ٹھوس عقیدے اور جامع نظام کی بنیاد رکھی وہ تاریخِ انسانی کا عظیم ترین اور ہمہ گیر انقلاب ہے، اگرچہ یک رخے انقلاب کئی آئے اور

اپنی پوری مدت پوری کر کے چلتے بنے۔ بہت کم ایسا ہوگا بلکہ معلوم تاریخ میں قطعاً ایسا نہیں ہوا کہ تیس برس کے قلیل عرصے میں دس بیس افراد نہیں پوری سوسائٹی اپنے مزاج اور کردار میں ایسی تبدیلی پیدا کر لیتی ہے کہ جزیرہ نمائے عرب سے باہر کی دنیا ایک نئے انسان سے متعارف ہوتی ہے اس انقلاب سے پہلے عرب کا بدو راہزن تھا اب راہبر کے منصب پر فائز ہو گیا۔ اس سے پہلے وہ قتل و غارت کا خوگر تھا۔ اب وہ خود رحمت کا پیمبر بن گیا، اس سے پہلے وہ خود پرست تھا اب وہ خدا پرست بن گیا، اس سے پہلے وہ جاہلیت کا پیکر تھا اب وہ معرفت کے درس دینے لگا، اس سے پہلے وہ نسب اور خاندان کا اسیر تھا اب وہ بین الاقوامیت کا سفیر نظر آتا ہے۔ اور اس سے پہلے وہ آتشِ جہاں تھا اب وہ گلِ بداماں دکھائی دیتا ہے، اور لطف یہ ہے کہ اتنے عظیم الشان انقلاب کے پیچھے کوئی فوج اور سپاہ نظر نہیں آتی فقط اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی نگاہ کار فرما رہی۔

---------- o ----------

انقلابِ فرانس کو دنیا میں ایک ممتاز مقام حاصل ہے آج کی سائنسی ترقی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انقلابِ فرانس کا فیض ہے، روشن خیالی کا چشمہ انقلابِ فرانس سے پھوٹا، مگر اس دورِ انقلاب میں مارٹن لوتھر کے ساتھیوں پر کیا بیتی؟ اس پر تاریخ کے اوراق گواہ ہیں۔ عیسائیت کے تقدس اور تحفظ کے نام پر پورا یورپ "پھانسی گھر" بن گیا، گیلیو اور برونو کی داستانیں آج بھی یورپ میں زبان زدِ عام ہیں۔

روس کا بالشویکی انقلاب بھی بلاشبہ بہت بڑا واقعہ ہے مگر وہاں کے کسانوں اور مزدوروں نے اس کی کیا قیمت چکائی؟ یہ بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، ایک لاکھ چھیانوے ہزار مزدور اور آٹھ لاکھ نوے ہزار کسان اس انقلاب کے تنور کا ایندھن بنے، اور سٹالن نے اپنے دورِ حکومت میں تیس ہزار سرکاری ملازمین مروائے اور سائبیریا کے یخ بستہ جہنم کے چرچے شکستۂ روس تک عام رہے کچھ پردے اب اٹھ رہے ہیں اور معلوم ہو رہا ہے کہ اس انقلاب نے گندم کے ایک ایک دانے کے عوض ایک ایک انسانی جان کی قیمت وصول کی ہے اور تن ڈھانپنے کے بدلے میں لباسِ عصمت تار تار کیا ہے، جرمن قوم آج بھی نسلی تفاخر

کے نشے میں وحشت ہے، اسی نسلی گھمنڈ نے ہٹلر کو جرمنوں کی آنکھ کا تارا بنایا، اور اس نے عظمتِ رفتہ کی بحالی کا نعرہ لگایا اور یہی نعرہ جنگِ عظیم دوم کا پہلا شعلہ تھا، اور یہ شعلہ آگ کا وہ الاؤ ثابت ہوا جس میں ستر لاکھ انسان جل کر کوئلہ ہو گئے اور اتنی ہی تعداد زخم کھانے والوں اور معذوروں کی سامنے آئی۔ ہٹلر کی آپ بیتی میں "کمف" یعنی میری جدوجہد کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کے ایک ایک لفظ کے لئے ۱۲۵، ہر صفحے کے لئے ۴۷۰۰ اور ہر باب کے لئے بارہ لاکھ جانیں ضائع ہوئیں، اور اس سب کا حاصل؟ خودکشی، رسوائی اور پسپائی۔ چین کا کمیونسٹ انقلاب بھی بہت بڑا انقلاب ہے مگر لانگ مارچ سے لے کر تیان من سکوائر تک پھیلے ہوئے لاشوں کے ڈھیر اس انقلاب کی "افادیت" کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

---------- o ----------

ان سب کے مقابلے میں ایک انقلابِ محمدی ہے جو اپنے جلو میں بشریت کا لہو نہیں انسانیت کی آبرو لے کر آیا، اس کے برپا ہونے سے موت کا اندھیرا نہیں چھایا بلکہ زندگی کا سویرا طلوع ہوا۔ اس نے کشتوں کے پشتے نہیں لگائے بلکہ حسن و محبت کے بوٹے اگائے، وہ کسی جنگِ عظیم کا پیش خیمہ نہیں بنا بلکہ کاروانِ امن کا ہراول دستہ ثابت ہوا، یہ عظیم انقلاب دارِ ارقم سے نکل کر فتحِ مکہ پر اپنا سفر مکمل کرتا ہے مگر اس عرصے میں اتنا خون بھی نہیں بہا جتنا کہ روزانہ کسی بڑے ہسپتال میں صحت پانے کی غرض سے آپریشن کے دوران بہہ جاتا ہے

اس انقلاب کی ایک اور خوبی بھی ہے کہ وہ حالات بظاہر انقلاب کے لئے سازگار اور اس کے متقاضی نہیں تھے، یوں لگ رہا تھا کہ چار ہزار سال سے تعمیر کیا گیا تہذیب کا وہ قصرِ حقیقہ دھڑام سے گرنے والا ہے اور انسانی سوسائٹی اس میں دب کر آنے والی کئی صدیوں تک چیختی کراہتی رہے گی۔ اس دور میں جزیرۃ العرب اعتقادی، سیاسی، معاشرتی، معاشی اور تہذیبی اعتبار سے ناقابلِ رشک کیفیت سے گزر رہا تھا، عرب اعتقادی طور پر بالکل نچلی سطح پر پہنچ چکے تھے اس سے آگے شرفِ انسانی کی توہین کی کوئی منزل نہیں تھی، ملائکہ پرستی، جنات پرستی، بت پرستی، ستارہ پرستی نجانے کتنی "پرستیاں" انہیں جونک کی طرح چمٹی ہوئی تھیں ہر قبیلے کا الگ بت اور ہر ایک کا جداگانہ طرزِ پرستش۔ عرب بلاشبہ شجیع تھے مگر

شجاعت پر سنگدلی کا گمان گزرتا تھا، عرب قادر الکلام تھے مگر زیادہ تر ہجویہ اشعار میں اپنا زور صرف کرتے تھے، وہ جفاکش تھے مگر ساتھ ساتھ برادر کش بھی، وہ مہمان نواز تھے مگر ان کا دسترخوان زیادہ تر چوری اور راہزنی کے اسباب سے سجا ہوتا تھا، ان کی سیاست میں انفرادیت کا رجحان تھا، کوئی مرکزی نظم نہ تھا کوئی باقاعدہ نظامِ عدل و انصاف بھی نہ تھا، سارا معاشرہ قبائلی فضا میں سانس لے رہا تھا، جس کے نتیجے میں ایک طرح کی طوائف الملوکی تھی۔ اعتقادی پستی کے اس ماحول میں حضور ﷺ نے عقیدۂ توحید پر مبنی انقلابی نظام قائم کر کے وحدتِ انسانی کا سنگِ بنیاد نصب فرما دیا۔ انفرادیت پسندی اور خود پسندی کی اس فضا میں اجتماعی نظم اور خدا پرستی کا نمونہ پیش کیا گیا حتیٰ کہ مذہبی آداب و شعائر تک میں اجتماعیت کا رنگ غالب کر دیا اور یوں آنے والے وقتوں میں بین الاقوامی اداروں کی تشکیل کی راہ ہموار کر دی، گلے سڑے معاشرے میں حیات افروز رجحانات کو فروغ دے کر سوسائٹی میں امن، اخوت، ایثار، عدل، اطاعت اور روحانیت کی لہر دوڑا دی۔

---------- o ----------

قبائلی عصبیت کا رخ موڑ کر اسے اسلامی عصبیت میں بدل دیا اور یوں ذاتی اغراض کی جنگ کو ختم کر کے کفر، باطل، ظلم، فساد اور طغیان کے خلاف لوگوں کو مورچہ بند کر دیا اس طرح نفرت کا ہدف انسان کے بجائے اس میں پائی جانے والی برائی کو بنا دیا، تاکہ اس برائی کے خلاف جہاد کر کے انسان کو اس کے مقامِ انسانیت سے آگاہ کیا جا سکے، آج دنیا یو این او کے چارٹر سے آگاہ ہے جینوا کنونشن بھی موجود ہے، ہیومن رائٹس کے کمیشن بھی دنیا بھر میں کام کر رہے ہیں، نت نئے ورلڈ آرڈر بھی متعارف ہو رہے ہیں، نیو سوشل کنٹریکٹ کی باتیں بھی ہوتی ہیں اور لوگ نیشنلزم سے انٹرنیشنلزم کی طرف بڑھ رہے ہیں لیکن یہ سب کچھ خواب و خیال تھا اور وہم و گمان ہوتا اگر قدیم و جدید کے سنگم پر وہ ذاتِ ستودہ صفات تشریف فرما نہ ہوتی جس نے عہدِ قدیم کو پاش پاش ہونے سے بچا لیا اور عصرِ جدید کو نئے خطوط فراہم کر کے آگے بڑھنے کے قابل بنا دیا۔ آہ! یہ کائنات کو جس طرح ہزاروں برس پہلے مرحلۂ انتظار سے گزرنا پڑا، تب جا کر مسیحی کی دریاب نصیب ہوا، اسی طرح آج بھی قافلہ ہائے رنگ و بو کو اپنی تلاش کا سفر

جاری رکھنا پڑے گا۔ حرف و لفظ کے اسیر جلوتیانِ مدرسہ اور تجی سو خلوتیانِ میکدہ کو اتنی جلد فیضانِ انقلابِ محمدیؐ کے تمام پہلوؤں کا ادراک حاصل نہیں ہو سکے گا۔ زمانہ ابھی کئی کروٹیں لے گا صدیوں کا سفر ابھی باقی ہے۔ غنچے سے کلی اور کلی سے پھول بننے میں ابھی کئی مراحل پڑے ہیں اور شعورِ انسانی کو مزید صیقل اور مجلّٰی ہونا ہوگا تب اس کی سمجھ میں آئے گا کہ:

لوح بھی تو، قلم بھی تو، تیرا وجود الکتاب
گنبدِ آبگینہ رنگ، تیرے محیط میں حباب
عالمِ آب و خاک میں، تیرے ظہور سے فروغ
ذرۂ ریگ کو دیا، تو نے طلوعِ آفتاب

---------- 0 ----------

اس عظیم عالمی انقلاب کے خصائل اور اخلاق کیا تھے؟ شرح شمائل ترمذی اس کا علمی و تحقیقی جواب ہے۔ جس کے چھوٹے اجزاء میں سلسلۂ اشاعت کی ساتویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے جس میں حضور اقدس ﷺ کے اخلاق و عادات، عفو و درگزر، رضا بالقضاء، خدام کی دلداری و خاطرداری، اکرامِ ضیف، وصفِ اخلاق و سخاوت، بستر مبارک اور آرام فرمانے کا طریقہ، کھردرے بستر کو ترجیح، تواضع و عبدیت، لکڑیاں جمع کرنا، سادگی و فروتنی، ظاہری جمال کے ساتھ عظمت و جلال، تعلیم و تربیت کے اہداف، دربارِ نبوت علم و خدمت کا مرکز، درسگاہِ نبوی کے فضلاء، مجالسِ نبوت کے مختلف مناظر، ہاتھوں کی ملاطفت، جود و عطا کے مراتب، حیاء کی فضیلت و اہمیت اور آپؐ کا مقامِ حیاء، حیاء کا اکمل نمونہ، معالجہ اور پچھنے لگوانا، ہدیہ لینا اور بہترین بدل دینا، الغرض شمائل ترمذی کے سینتیس (۳۷) احادیث کی عالمانہ، محققانہ، سلیس اور عام فہم تشریح و توضیح کا حسین مرقع ہے۔ محبانِ رسول ﷺ کے لئے تحفۂ عشق و محبت۔

چمن نے مجھ سے نظر آئے جلوۂ خوش روئے دوست
میں کوئی محفل نہ دیکھوں اب تیری محفل کے بعد

عبدالقیوم حقانی
۱۷ رمضان ۱۴۲۶ھ / ۲۰ اکتوبر ۲۰۰۵ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بَابُ مَا جَاءَ فِي فِرَاشِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب ! ان روایات کا ذکر جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر کے بارے میں وارد ہوئی ہیں

فراش بمعنی مفروش کے ہے جیسے کتاب بمعنی مکتوب کے ہیں، اس کی جمع فُرُش آتی ہے، جیسے کتاب کی جمع کتب آتی ہے۔ ويقال له ايضاً فرش من باب التسمية بالمصدر، وقد ورد في صحيح مسلم فراش للرجل و فراش لزوجته و فراش للضيف و فراش للشيطان و انما اضافه للشيطان لانه زائد على الحاجة مذموم و قيل لانه اذا لم يحتج اليه كان مبيته و مقيله (مواهب ص ۲۳۶) (صحیح مسلم میں وارد ہوا ہے کہ ایک بستر مرد کے لئے اور ایک بستر اس کی بیوی کے لئے اور ایک بستر مہمان کے لئے اور ایک بستر شیطان کا ہے اور بے شک اس بستر کی شیطان کو اس لئے نسبت کی کہ وہ ضرورتِ اصلیہ زائد ہے اور مذموم ہے اور بعض کہتے ہیں کہ چونکہ اس بستر کی ضرورت نہیں اور وہ فالتو ہے تو وہ گویا شیطان کا بیت (بیوتۃ کی جگہ) اور مقیل (قیلولہ) کی جگہ ہے)

حضور اقدس ﷺ کا بستر مبارک چمڑے، ٹاٹ اور بوریا کا ہوا کرتے تھے، نرم اور گداز بستر پسند نہیں فرماتے تھے۔ الشیخ یوسف بن اسماعیل النبہانی فرماتے ہیں "حضور نبی کریم ﷺ

کا بستر مبارک چمڑے کا تھا، جس میں کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوئی تھی۔ اس کی لمبائی کم و بیش دو گز تھی اور چوڑائی ایک گز اور ایک ہاتھ تقریباً" آپؐ دنیاوی ساز و سامان سے بالکل الگ رہے، باوجودیکہ خدا نے دنیا کے خزانوں کی کنجیاں آپؐ کو عنایت فرمائی تھیں مگر آپ ﷺ نے کبھی دنیاوی خواہش نہیں کی ہمیشہ آخرت پر اور اس کی نعمت پر نظر رکھی اور آخرت کو اختیار فرمایا"۔ (وسائل الوصول)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین فرماتے ہیں کہ ہم نے آپؐ کے لئے بستر بچھا دیا تو اس پر لیٹ گئے، اگر نہ بچھایا تو زمین پر ہی لیٹ جاتے تھے۔ آپؐ کا تکیہ چمڑے کا تھا اور اس میں کھجور کی چھال بھری پڑی رہتی تھی۔ (وسائل الوصول)

(۳۱۴/۱) حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ حُجْرٍ اَخْبَرَنَا عَلِیُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّمَا كَانَ فِرَاشُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِیْ يَنَامُ عَلَيْهِ مِنْ اَدَمٍ حَشْوُهٗ لِيْفٌ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن حجر نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر علی بن مسہر نے دی۔ انہوں نے یہ روایت ہشام بن عروۃ سے ان کے باپ کے واسطے سے نقل کی اور انہوں نے اسے ام المومنین عائشہ صدیقہؓ سے روایت کیا۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے سونے اور آرام فرمانے کا بستر چمڑے کا ہوتا تھا، جس میں کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوئی تھی۔
راوی حدیث (۵۹۲) علی بن مسہر" کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضور اقدس ﷺ کا بستر مبارک اور آرام فرمانے کا طریقہ :

حضور سید دو عالم ﷺ نرم بستر کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ چونکہ آنجناب ﷺ کے پیش نظر اپنی اُمت کو عبادت، زہد، ریاضت، محنت، مسلسل تبلیغ اسلام کی راہ میں مشقت اٹھانے اور ہر وقت خدمتِ خلق کرنے کی زندگی اور تعلیم دینی مقصود تھی۔ اس لئے خود بھی

عیش و آرام اور تنعم کی زندگی ترک فرما دی تھی۔ یہاں تک کہ نیند بھی سخت بستر پر فرماتے اور آرام دہ گدے یا توشک پر سونا پسند نہ فرماتے۔ بیہقی نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ سے روایت کی ہے کہ میرے پاس انصار کی ایک عورت آئی، اس نے رسول مقبول ﷺ کا بستر دیکھا جو چمڑا کو دہرا کر کے بچھا رکھا تھا فبعث الی بفراش حشوه صوف وہ عورت گئی اور اس نے روئی سے بھری ہوئی توشک (لحاف) آنحضور ﷺ کے لئے میرے پاس بھیج دی۔

حضور ﷺ تشریف لائے اور اس کو دیکھا فرمایا اے عائشہ! یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ انصار کی فلاں عورت نے آپ کا بستر دیکھا، تو پھر جا کر آپ کے لئے روئی سے بھرا ہوا گدا بھیج دیا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے عائشہ! یہ اسے واپس کر دے۔ سو اللہ لو شئت اجری اللہ معی جبال الذهب والفضة

"اور فرمایا قسم ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ کی، اگر میں چاہوں تو اللہ جل جلالہ سونے اور چاندی کے پہاڑ عطا کر دے" یعنی خوب آرام عیش اور تنعم کی زندگی بسر کروں، مگر میں تو راحت و آسائش کے ہر قسم کے سامان کو ہیچ سمجھتا ہوں اور در حقیقت راحت و آرام تو وہ ہے جو آخرت میں نصیب ہو۔ امام احمدؒ اور ابو داؤد طیالسیؒ نے عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور ﷺ ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے فاثر فی جنبه آپ ﷺ کے جسم اطہر و اقدس پر اس بوریے کے نشان پڑے ہوئے تھے۔ عرض کیا گیا کہ کیا آپؐ کے لئے کوئی نرم بستر نہ لائیں؟ تو ارشاد فرمایا :

"مالی وللدنیا انما انا والدنیا کراکب استظل تحت شجرة ثم راح و ترکها"

"مجھے دنیاوی آرام سے کیا کام میری مثال تو اس مسافر کی ہے جو راستے میں کسی درخت کے نیچے ذرا آرام کر لے اور پھر اپنی منزل کی جانب روانہ ہو جائے"۔

وسائل الوصول میں علامہ یوسف النبہانی امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے نقل فرماتے ہیں کہ میں جناب نبی کریم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ جسم مبارک پر بوریے کے نشان نظر آ رہے تھے۔ حجرہ کی یہ

حالت تھی کہ ایک طرف تھوڑے سے جَو پڑے ہوئے تھے۔ دیوار پر کھال لگی ہوئی تھی (نماز پڑھنے کے لئے) میں نے یہ حال دیکھا تو میرے آنسو نکل آئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا اے ابن خطاب کیوں روتا ہے، میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! میں اب بھی نہ روؤں۔ اس چٹائی نے آپ کے جسم پر نشان ڈال دیئے ہیں۔ مقبوضہ علاقوں سے جو وصول ہو رہا ہے کیا اس میں آپ کا کوئی حصہ نہیں۔ دوسری طرف یہ قیصر و کسریٰ ہیں، جو دنیا کی بے اندازہ نعمتوں میں کھیل رہے ہیں اور آپ اللہ کے نبی اور محبوب ہیں، پھر بھی اس تنگدستی پر گزر بسر ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا" اے ابن خطاب ! کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ آخرت کی ابدی نعمتیں ہمارے لئے ہوں اور دنیا کی چند روزہ آسائشیں انہیں دے دی جائیں۔ یہ تو وہ لوگ ہیں، جنہیں یہی کچھ آسائشیں دے کر بہلا دیا گیا ہے، جن کی مدت بہت مختصر ہے اور ہم وہ لوگ ہیں جو آخرت میں ایسی نعمتوں سے نوازے جائیں گے، جو کبھی ختم نہ ہوں گی"۔ شرح سنہ میں حضرت انسؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں، میں نے حضور اکرم ﷺ کو دیکھا ہے کہ یرکب الحمار العری و یجیب دعوۃ المملوک و ینام علی الارض و یجلس علی الارض و یاکل علی الارض "برہنہ گدھے پر سواری فرماتے۔ غلاموں کی دعوت قبول فرماتے، زمین پر سوتے، زمین پر بیٹھتے اور زمین پر کھانا کھاتے" (شرح نوشیہ ۲۲۲،۲۲۱)

الادم' ادیم کی جمع ہے وهو الجلد المدبوغ او الاحمر او مطلق الجلد ولعل المحشوة كانت تستحسنه على قلة النوم' لان الفراش الوثير يساعد على كثرة النوم وهذا دليل الزهادة الحقيقية لان قدرته او سع من ذلك بكثير (اتحافات ص۲۵۲) (ادیم کا معنی رنگا ہوا چمڑا یا سرخ چمڑا اور یا پھر مطلق چمڑا اور شاید کہ اس کا کھردرا پن وحشی نیند کی قلت میں معاون و مددگار ثابت ہوتی تھی اس لئے کہ نرم و ملائم بستر تو نیند کی کثرت میں زیادہ موافق و معاون ہوتا ہے اور یہی چیز در اصل دنیا سے بے رغبتی اور روگردانی کی دلیل ہے ورنہ آپ علیہ ﷺ کی طاقت و قدرت میں اس سے زیادہ نیچی و ملائم کی بھی وسعت ہو سکتی تھی)۔

(۳۱۵/۲) حَدَّثَنَا اَبُو الْخَطَّابِ زِيَادُ بْنُ يَحْيَى الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَيْمُونٍ اَخْبَرَنَا جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيهِ قَالَ سُئِلَتْ عَائِشَةُ مَا كَانَ فِرَاشُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَيْتِكِ قَالَتْ مِنْ اَدَمٍ حَشْوُهُ لِيفٌ وَسُئِلَتْ حَفْصَةُ مَا كَانَ فِرَاشُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَيْتِكِ قَالَتْ مِسْحًا نَثْنِيهِ ثَنْيَتَيْنِ فَيَنَامُ عَلَيْهِ فَلَمَّا كَانَ ذَاتَ لَيْلَةٍ قُلْتُ لَوْ ثَنَيْتَهُ اَرْبَعَ ثَنْيَاتٍ لَكَانَ اَوْطَأَ لَهُ فَثَنَيْنَاهُ لَهُ بِاَرْبَعِ ثَنْيَاتٍ فَلَمَّا اَصْبَحَ قَالَ مَا فَرَشْتُمُونِي اللَّيْلَةَ قَالَتْ قُلْنَا هُوَ فِرَاشُكَ اِلَّا اَنَّا ثَنَيْنَاهُ بِاَرْبَعِ ثَنْيَاتٍ قُلْنَا هُوَ اَوْطَأُ لَكَ قَالَ رُدُّوهُ لِحَالَتِهِ الْاُولَى فَاِنَّهُ مَنَعَتْنِي وَطْأَتُهُ صَلَاتِيَ اللَّيْلَةَ۔

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں ہمیں ابوالخطاب زیاد بن یحییٰ بصری نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبداللہ بن میمون نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں جعفر بن محمد نے اپنے باپ کے واسطے سے خبر دی۔ امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے یہاں حضور ﷺ کا بستر کیسا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ چمڑہ کا تھا، جس کے اندر کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوئی تھی۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے گھر میں حضور ﷺ کا بستر کیسا تھا، انہوں نے فرمایا کہ ایک ٹاٹ تھا، جس کو دوہرا کرکے ہم حضور ﷺ کے نیچے بچھا دیا کرتے تھے۔ ایک روز مجھے خیال ہوا کہ اگر اس کو چوہرا کرکے بچھا دیا جائے تو زیادہ نرم ہو جائے گا۔ میں نے ایسے ہی بچھا دیا۔ حضور اکرم ﷺ نے صبح کو دریافت فرمایا کہ میرے نیچے رات کو کیا چیز بچھائی تھی۔ میں نے عرض کیا کہ وہی روز مرہ کا بستر تھا، رات کو اسے چوہرا کر دیا تھا کہ زیادہ نرم ہو جائے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس کو پہلے ہی حال پر رہنے دو، اس کی نرمی رات کو مجھے تہجد سے مانع ہوئی

کھردرے بستر کو ترجیح:

المسح بكسر الميم' ٹاٹ کو کہتے ہیں، جو اون سے بنا ہوا تھا، یہ معمولی سا فراش ہے، جو بغیر بچھانے کے اور کسی بھی کام کا نہ تھا، گویا ایک معمولی سا کمبل وهو كساء خشن من صوف۔ (اتحافات ص۲۵۲)

مضمون حدیث تو ترجمۃ الباب میں واضح کر دیا ہے : حضور سید دو عالم ﷺ نے اپنی اُمت کو عملی طور پر سمجھایا کہ دیکھو ایسا نہ ہو کہ یہ تمہارے نرم نرم بستر ے، یہ آرام و آسائش، یہ سیم دنیوی تمہیں یادِ الٰہی نماز اور تہجد سے بے پرواہ غافل نہ کر دیں۔ صرف اس لئے ذرا سا نرم بستر ہ استعمال کرنا نہیں پسند فرمایا کہ نماز تہجد کہیں نہ پڑھی جا سکے۔ آج ہمیں سرورِ انبیاء شفیقِ اُمت، پیغمبر اسلام ﷺ کی اس سنتِ مبارکہ کو زندہ کرنا چاہیے۔ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو تکیہ سے ٹیک لگائے ہوئے دیکھا اور آپ بورے پر نماز پڑھتے تھے اور اس بات کو پسند فرماتے تھے کہ دباغت کی ہوئی کھال ہو اور آپ اس پر نماز ادا فرمائیں۔

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں ومن هنا نستفيد كيف ان لين الفراش كاد يمنع رسول الله صلى الله عليه وسلم من التهجد و اذا كان الرسول و هو الذي تنام عينه ولا ينام قلبه يخشى الفراش الوثير فكيف بنا نحن ؟ ان الكثير من المسلمين يفرح اذا استغرق في النوم من اول الليل الى آخره والأكثر من الكثير يحزن اذا لم يكن عنده الفراش الوثير انما نغني النوم في السرر والسجاجيد والنمارق تاركين البساطة المحمودة والسنن الكريمة ۔(اتحافات ص ۲۵۵)(اور ان احادیث سے ہمیں معلوم ہوا کہ بستر کی نرمی اور ملائمت میں آپؐ کے لئے بھی تہجد سے مانع بن جانے کا امکان تھا۔ اور جب کہ نبی کریمؐ کی ذات اقدس کو (جس کی صرف آنکھیں تو سو جاتیں لیکن دل بیدار ہوتا) بھی نرم و ملائم بستر کا سبب غفلت بننے سے خوف لاحق تھا تو پھر ہماری حالت ان کے استعمال کرنے سے کیا ہو گی۔ حالانکہ صورت حال یہ ہے کہ بہت سے مسلمان تو شروع رات سے آخر رات تک گہری نیند میں مستغرق ہونے سے خوش ہوتے ہیں اور بہت سے دیگر لوگ نرم و ملائم اور آسائش و آرام کے بستر نہ ہونے سے پریشان و غمگین رہتے ہیں اور آج کے ماحول میں تو ہم لوگ تخت، پلنگ، صوفہ سیٹ گاؤ تکیے، پردے، غالیچے اور قالینوں کے استعمال میں تنوع پیدا کرنے کی کوشش تو کرتے ہیں لیکن سادہ بچھونے (کمبل، دری، ٹاٹ، فرش زمین) وغیرہ کی میٹھی زندگی اور حضور ﷺ کی پیاری سنتوں کو بھلانے والے ہیں)۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَوَاضُعِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انکساری کے بارے میں

تواضع کا معنی اور تشریح :

تواضع کا معنی تذلل عاجزی فروتنی انکساری اور خشوع ہے۔ و عند الصوفية تذلل القلوب لعلام الغيوب بالتسليم لمجاري احكام الحق (مجمع ج ۳ ص ۱۶۱) (اور صوفیاء کرامؒ کے نزدیک اپنے دلوں کو علام الغیوب ذات کے لئے عاجز منکسر کر کے احکام حق کو ماننے اور تسلیم کرنے کے لئے آمادہ کرنا)

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ تحریر فرماتے ہیں: و عرفا : خروج الانسان عن مقتضى جاهه، و تنزله عن مرتبة لمثاله و عند المحققين : التواضع هو : أن لا يرى العبد لنفسه مزية و يرى الحالة التي هو فيها اعظم من أن يستحقها و سئل ابو يزيد : متى يكون العبد متواضعا ؟ فقال : إذا لم ير العبد لنفسه مقالا و لا حالا ۔(اتحافات ص ۲۵۶) (تواضع کا معنی عرف عام میں یہ ہے کہ کسی شخص کا اپنے حقیقی اور اصلی مرتبے کے مقتضی سے خروج اور اپنے ہم مرتبہ اشخاص سے تنزل اختیار کرنا ہے اور محققین کے نزدیک یہ کہ کوئی شخص اپنے لئے کوئی فضیلت اور مرتبے کا خواہش مند نہ ہو اور جس حالت میں بھی ہو اس کو اپنے استحقاق سے زیادہ خیال کرنے اور سمجھے بھی۔ اور ابو یزید سے پوچھا گیا کہ ایک انسان کب متواضع کہلاتا ہے اس نے جواب میں کہا کہ جب بندہ اپنے کسی قول (گفتگو) یا حال (کیفیت) کو بڑا سمجھنے کا خواہش مند نہ ہو)

حضور اقدس ﷺ تمام لوگوں سے بڑھ کر متواضع تھے۔ حضرات صوفیاء کرام کہتے ہیں، تو اضع میں کمال تب آتا ہے جب کہ شہود میں کمال حاصل ہو۔

علامہ بیجوری بھی یہی لکھتے ہیں کہ قال بعض العارفین "لا یبلغ العبد حقیقة التواضع الا اذا دام تجلی الشهود فی قلبه" (مواہب ص۲۲۷) کیونکہ اس سے نفس کا مقابلہ ہوتا ہے۔ کمزور پڑتا ہے اور تجلیٔ شہود سے نفس کی بیماریاں تکبر، عجب، ضد، خود پسندی اور سرکشی و بغاوت ختم ہو جاتی ہیں۔

حضور ﷺ سب لوگوں سے زیادہ متواضع تھے :

شیخ یوسف النبہانیؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ تواضع اور انکساری میں سب سے بڑھ کر تھے۔ بہت کم گو تھے، مگر آپ ﷺ کی کم گوئی کبر کی وجہ سے نہ تھی، جب بات کرتے تو بہت مختصر کرتے، بہت خوب روتے تھے، دنیا کے کسی بڑے سے بڑے کام سے بھی نہ گھبراتے تھے، مگر اس حد تک بھی تواضع اور انکساری سے کام نہیں لیتے تھے کہ دوسرا آدمی آپ ﷺ کو حقیر سمجھنے لگے۔ (وسائل الوصول)

حضور اقدس ﷺ نے لکڑیاں جمع کرنا اپنے ذمہ لیا :

ایک مرتبہ کسی سفر میں چند صحابہ کرامؓ نے ایک بکری ذبح کرنے کا ارادہ فرمایا اور اس کا کام آپس میں تقسیم فرمایا۔ ایک نے اپنے ذمہ ذبح کرنا لیا، دوسرے نے کھال اتارنا، کسی نے پکانا، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا، فقال علی جمع الحطب یعنی پکانے کے لئے لکڑی اکٹھا کرنا میرے ذمہ ہے فقالوا یا رسول الله نکفیک العمل صحابہ کرامؓ نے عرض کیا۔ حضرت! یہ کام تو ہم خود کر لیں گے فقال قد علمت انکم تکفونی و لکن اکره ان اتمیز علیکم و ان الله یکره من عبده ان یراه متمیزا بین اصحابه۔ (جمع ج۲ ص۱۶۱) حضور اقدس ﷺ نے فرمایا یہ تو میں بھی سمجھتا ہوں کہ تم لوگ اس کام کو بخوشی کر لو گے، لیکن مجھے یہ بات پسند نہیں کہ مجمع میں ممتاز رہوں اور اللہ کریم بھی اس کو پسند نہیں کرتے۔

چند متواضعانہ اعمال :

علامہ ملا علی قاریؒ نقل فرماتے ہیں لم یاکل متکئا بعد حتی فارق الدنیا و قال

اجلس کما یجلس العبد و آکل کما یاکل العبد و لم یقل لشیء فعله خادمه قط اف قط وما ضرب احدا من عبیده و اماءه وهذا امر لا یتسع له الطور البشری لولا التایید الالهی و عن عائشة انها سئلت کیف کان اذا خلا فی بیته قالت ألین الناس بساما ضحاکا لم یر قط مادا رجلیه بین اصحابه و عنها ما کان احد احسن خلقا منه ما دعاه احد من اصحابه الا قال لبیک و کان یرکب الحمار و یردف خلفه (جمع ج۲ ص۱۶۰) (نبی کریم ﷺ نے کبھی (بلا عذر) تکیہ لگا کر کھانا اپنے وصال مبارک تک نہیں کھایا اور فرماتے کہ میں تو ایسا (متواضع) بیٹھتا ہوں جیسا کہ ایک بندہ اور غلام بیٹھتا ہے اور کھاتا بھی ایسا ہوں جیسے کہ ایک غلام کھاتا ہے اور کبھی اپنے خادم حضرت انسؓ کو کسی کام کرنے پر اف تک نہیں کہا اور نہ کبھی اپنے غلاموں اور کنیزوں میں سے کسی کو مارا پیٹا اور یہ ایسے مشکل امور ہیں کہ اگر تائید خداوندی اس میں شامل حال نہ ہو تو نوع انسانی کو ان کے سرانجام دینے کی وسعت و قدرت نہیں ہو سکتی اور حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ آپ ﷺ کا برتاؤ گھر میں کیسا ہوتا تھا؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ سب لوگوں میں سے نرم مزاج والے، تبسم اور ہنسنے والے۔ یہ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ آپ ﷺ اپنے صحابہؓ کے درمیان پاؤں پھیلائے ہوئے بیٹھے ہوں۔ اور حضرت عائشہؓ ہی سے روایت ہے کہ آپ ﷺ سے زیادہ اچھے اخلاق والا کوئی نہ تھا اور صحابہؓ (ساتھیوں) میں سے کسی نے بھی اگر آپ ﷺ کو بلایا تو آپ ﷺ نے اس پر لبیک فرمایا (کہ میں حاضر ہوں) اور آپ ﷺ گدھے پر (اکیلے) سوار ہوئے ہیں اور کسی دوسرے کو اپنا ردیف (پیچھے بیٹھنے والا) بھی بنایا ہے)

(۳۳۱/۸) حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ وَسَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمَخْزُومِيُّ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُطْرُوْنِيْ كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارٰى عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ إِنَّمَا أَنَا عَبْدُ اللّٰهِ فَقُوْلُوْا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں احمد بن منیع ، سعید بن عبدالرحمٰن مخزومی اور بہت سے دوسرے لوگوں نے یہ حدیث بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سفیان بن عیینہ نے زہری کے حوالہ سے خبر دی ، انہوں نے عمر بن خطابؓ سے نقل کی ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ میری ایسی تعریف مبالغہ آمیز حد سے فزوں نہ کرو ، جیسے نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعریف میں مبالغہ کیا (کہ اللہ کا بیٹا بنا دیا) میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں ، اس لئے مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔

راویانِ حدیث (۵۹۷) سعید بن عبدالرحمٰن المخزومیؒ اور (۵۹۸) عبیداللہؒ کے حالات "تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

مدحِ رسولؐ میں حد سے تجاوز ممنوع ہے :

لا تطرونی ...... اطراء کا معنیٰ کسی کی مدح میں حد سے تجاوز کرنا ۔ھو مجاوزۃ الحد فی المدح ۔ (اتحافات ص ۲۵۶) وھو المبالغۃ فی المدح والغلو (مناوی ج ۲ ص ۱۲۶) (علامہ مناویؒ اطراء کا معنیٰ یہ کرتے ہیں کہ کسی کی تعریف اور مدح میں مبالغہ اور غلو کرنا) یعنی میری مدح میں حد سے زیادہ تجاوز نہ کرو ، جو خلاف واقع ہو ، ورنہ مطلق مدح تو جائز ہے ، فالمعنیٰ لا تجاوزوا الحد فی مدحی بغیر الواقع ۔ (مناوی ج ۲ ص ۱۲۶)

کما اطرت النصاری عیسی بن مریم .. جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کی مدح میں مبالغہ کیا ۔ حد سے تجاوز کیا ۔ یہاں تک کہ اسے اللہ کا بیٹا قرار دیا ، کبھی عین اللہ کہا اور کبھی ثالث ثلاثہ بنا دیا وکما حرفوا قولہ تعالیٰ فی الانجیل عیسی نبی و تلولہ لہ (جمع ج ۲ ص ۱۶۱) (اور جیسے کہ نصاریٰ نے انجیل میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کہ "عیسیٰ میرا نبی ہے اور میں نے اس کو جنا ہے" میں تحریف (ردوبدل) کی ہے)

یہ کفریہ عقائد مدح میں غلو ، حدود سے تجاوز اور بے جا مبالغہ آرائی سے پیدا ہوئے اور اس نہی کا سبب بھی یہی ہے کہ بعض صحابہؓ نے آپ ﷺ کی بارگاہ میں سجدہ علی قصد التعظیم و ارادۃ التکریم (بارادۂ تعظیم و تکریم) کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے اجازت نہ دی اور منع فرمایا۔

مقامِ عبدیت و رسالت :

انما انا عبد اللہ فقولوا عبد اللہ و رسولہ : مجھے اللہ کا بندہ کہو اور اس کا رسول میں مقامِ عبدیت میں ہوں ، پھر کلمۂ شہادت میں اس کا اعلان کرایا گیا ۔ واشھد ان محمدا عبدہ و رسولہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں) سورۂ کہف میں ارشاد ہے ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ (کہف : ۱) (سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے اپنے بندے (محمدؐ) پر کتاب (قرآن مجید) کو اتارا) سورۂ بنی اسرائیل میں بھی اللہ پاک نے آپ ﷺ کے لئے عبدیت کا مقام پسند فرمایا سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا ...... (بنی اسرائیل : ۱) (پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندہ کو رات کے وقت لے گیا) عبدیت و رسالت انتہائی منصب کمال ہے ۔ وھذا غایۃ الکمال فی مرتبۃ المخلوق فلا تطروا فی حقی شیئا بناء علی ھذین الصفتین ولا تحدثوا فی شانی وصفا غیرھما (جمع ج ۲ ص ۱۲۶) (اور مرتبہ مخلوق میں عبدیت و رسالت انتہائی صفت کمال ہے اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ آپ لوگ میرے حق میں کوئی ایسی نسبت نہ کیا کریں جو ان دو صفات کے منافی ہو اور میری شان میں ان دو اوصاف کے علاوہ کوئی تجاوز بھی نہ کریں)

وفی ھذہ الزبدۃ اشار صاحب البردۃ بقولہ ...... ۔

دع ما ادعتہ النصاری فی نبیھم
واحکم بما شئت مدحا فیہ واحتکم

ترجمہ : تو اپنے حبیب کی صفت کرتا جا اور ہر طرح کی صفت کر جس طرح بھی چاہے ، مگر نصاریٰ کی طرح نہیں کہ جس طرح انہوں نے عیسیٰ ابن مریم کی صفت کی تھی ۔
آپ ﷺ کی دو صفتوں کا ذکر آپ ﷺ کی دیگر متنوع صفاتِ کمال کی نفی نہیں۔

وما احسن قول ابن الفارض ...... ۔

اری کل مدح فی النبی مقصرا	وان بالغ المثنی علیہ و اکثرا
اذا اللہ اثنی بالذی ھو اھلہ	علیہ فما مقدار ما یمدح الوری

و لقد احسن من قال من ارباب الحال

ما ان مدحت محمدا بمقالتی　　بل قد مدحت مقالتی بمحمد

(جمع ج ۲ ص ۱۶۲)

(اور کتنا اچھا اور حسین ہے ابن فارسؒ کا قول۔ میں تو نبی کریم ﷺ کی شان میں ہر مدح میں فروگذاشتی کا خیال کرتا ہوں۔

اگر چہ ثناء و مدح کرنے والا اس کی مدح میں کثرت سے مبالغہ بھی کرے جب اللہ تعالیٰ نے اس کی ثناء و مدح الگ ہی کی ہے۔

جس کے وہ لائق ہیں تو پھر مخلوق کی مدح کی مقدار کی کیا قدر و قیمت ہوگی اور کیا خوب کہا ارباب حال میں سے جس نے یہ کہا کہ میں نے اپنے اس مدح کرنے میں محمد ﷺ کی تو کوئی تعریف و مدح نہیں کی بلکہ میں نے اپنی مدح ہی کی تعریف محمد ﷺ کے ذریعہ کر دی)

(۲/۳۱۶) حدثنا علی بن حجر اخبرنا سوید بن عبد العزیز عن حمید عن انس بن مالک ان امرأة جاءت الى النبی صلى الله عليه وسلم فقالت ان لی اليك حاجة فقال اجلسی فی ای طريق المدينة شئت اجلس اليك۔

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن حجر نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سوید بن عبد العزیزؒ نے حمید کے واسطے سے خبر دی اور انہوں نے اسے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی عورت نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھے کچھ تخلیہ میں عرض کرنا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کسی سڑک کے راستہ میں بیٹھ جا میں وہیں آ کر سن لوں گا۔

راوی حدیث (۵۹۹) سوید بن عبد العزیزؒ کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

ایک بے وقوف خاتون کی حاجت برآری :

ان امرأة جاءت الى النبی صلى الله عليه وسلم ...... یہ خاتون کون تھیں، اور نام کیا تھا، لم يقف الشراح على اسم المرأة (اتحافات ۳۵۷)(شارحین حضرات اس عورت کے نام سے واقف نہیں ہوئے) و فی بعض حواشی الشفا اسمها ام زفر (مواہب ص ۲۲۸)(کتاب الشفاء کے بعض حواشی میں ہے کہ اس عورت کا نام ام زفر تھا) البتہ اس پر تصریح ہے کہ یہ عورت انصار سے تھیں۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اس کے ساتھ چھوٹا بچہ بھی تھا اور شارحین نے اس پر بھی تصریح کی ہے کہ اس کی عقل میں فتور تھا، یا وہ آزاد منش اور بازار میں گھومنے والی خاتون تھیں یوں بوجہ فتور عقل کے گلی کوچوں میں پھرتی رہتی ہوگی۔ اس لئے حضور اقدس ﷺ نے وہیں جا کر ان کی بات سننے کا ارشاد فرمایا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ بندہ کے نزدیک بعید نہیں کہ ایسی عورتوں کو زنانہ مکان پر بلانے میں مستورات کو دقتیں اور مشکلات پیش آیا کرتی ہیں، جیسا کہ بسا اوقات مشاہدہ ہوتا ہے۔ اس لئے حضور اکرمؐ نے سڑک ہی پر بات سن لی۔

کمالِ تواضع کی انتہا :

ارشاد فرمایا، اجلسی فی ای طريق المدينة شئت یعنی ایک طرف ہو کر بیٹھ جا اور میں وہاں بیٹھ کر تیری ہر بات سنوں گا۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ یہ اس لئے فرمایا کہ کسی اجنبی خاتون کے ساتھ تنہائی نہ ہو تا کہ شریر طبیعت کے افراد کو کسی قسم کی شرارت کرنے کا موقع میسر نہ ہو۔ ہمارے حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ "حضور اقدس ﷺ کا ایک بے وقوف سی عورت کی ضرورت کے لئے سر راہ بیٹھ جانا یہ آپ ﷺ کی کمال تواضع ہے"۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں "هذا (الحديث) دليل على مزيد تواضعه وبراءته من جميع انواع الكبر" (جمع ج ۲ ص ۱۶۳) (یہ حدیث تو حضور ﷺ کی مزید تواضع عاجزی کی دلیل اور تکبر و بڑائی کی سب اقسام سے براءت اور بیزاری کا اظہار ہے)

ایک خاتون جس کے لئے آپ ﷺ نے اپنی چادر بچھائی :

علامہ یوسف النبہانیؒ نقل کرتے ہیں کہ ابو الطفیل کہتے ہیں کہ میں چھوٹا سا تھا۔ میں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک عورت آئی اور وہ آپ ﷺ کے قریب آ گئی۔ آپ ﷺ نے اس کے لئے اپنی چادر بچھادی۔ حضور اقدس ﷺ کی جانب سے اس عورت کا یہ اعزاز و اکرام دیکھا تو میں نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ یہ عورت کون ہے، ساتھیوں نے کہا کہ یہ حضور اقدس ﷺ کی رضاعی ماں ہے۔

اخذِ مسائل :

اس سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کا کوئی خاص دربار نہیں ہوتا تھا، یہ بھی تواضع ہے اور یہ معلوم ہوا کہ راستہ پر ضرورت کی وجہ سے بیٹھنا جائز ہے۔ تیسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ یہ خلوۃ بالاجنبیۃ نہیں تھی، خلوت تب ہوتی، جب لوگوں کے سامنے بیٹھنا نہ ہوتا **فیہ تنبیہ علی ان الخلوۃ مع المرأۃ فی زقاق لیس من باب الخلوۃ فی بیت معھا** (حاشیہ مشکوۃ ص ۵۱۹)

(اس میں تنبیہ ہے کہ کسی عورت کے ساتھ گلی راستہ میں خلوت (علیحدگی) کرنا اس خلوت کے حکم میں نہیں ہے جو کہ کسی عورت اجنبیہ کے ساتھ گھر میں ہو)

(۳۱۸/۳) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ مُسْلِمٍ الْأَعْوَرِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُودُ الْمَرِيضَ وَيَشْهَدُ الْجَنَازَةَ وَيَرْكَبُ الْحِمَارَ وَيُجِيبُ دَعْوَةَ الْعَبْدِ وَكَانَ يَوْمَ بَنِي قُرَيْظَةَ عَلَى حِمَارٍ مَخْطُومٍ بِحَبْلٍ مِنْ لِيفٍ عَلَيْهِ إِكَافٌ مِنْ لِيفٍ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن حجر نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن مسہر نے مسلم اعور کے حوالہ سے خبر دی، اور انہوں نے اسے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ مریضوں کی عیادت

فرماتے تھے۔ جنازوں میں شرکت فرماتے تھے، گدھے پر سوار ہو جاتے تھے، غلاموں کی دعوت قبول فرما لیتے تھے۔ آپ ﷺ بنو قریظہ کی لڑائی کے دن ایک گدھے پر سوار تھے، جس کی لگام کھجور کے پتوں کی تھی اور کاٹھی بھی اس کی تھی۔

راوی حدیث (۲۰۰) مسلم الاعور کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

مریض کی عیادت :

یعود المریض یعنی بیماروں کی بیمار پرسی فرماتے تھے۔ ملا علی قاریؒ نے یہاں پر تفصیل لکھی ہے۔ ذیل میں اس کی تلخیص دی جا رہی ہے۔

حضور اقدس ﷺ بیمار کی عیادت کرنے میں کوئی فرق یا تمیز نہیں برتتے تھے۔ ہر ایک شخص کو چاہے وہ آزاد ہوتا یا غلام، جوان ہوتا یا بوڑھا، عورت ہوتی یا مرد، مسلمان ہوتا یا کافر، بیمار پرسی فرماتے۔ مریض کے قریب بیٹھتے، اس کے سر سے اسے پیار فرماتے، پھر اس کا حال دریافت فرماتے۔ اس کو تسلی دیتے، نہایت مشفقانہ اور محبت سے بھری ہوئی گفتگو بیمار کے ساتھ کرتے۔ **وکان یقول للمریض کیف تجدک او کیف اصبحت و کیف امسیت و لا باس علیک طھور ان شاء اللہ او کفارۃ و طھور** (اتحافات ۳۵۸)

(اور آپ ﷺ مریض سے فرماتے کہ تو اپنے آپ کو کیسے پاتا ہے (یعنی آپ کی طبیعت کیسی ہے) یا آپ نے صبح کس طرح کی یا فرماتے کہ آپ نے شام کس طرح کی یا اس کو فرماتے کوئی فکر نہ ہو تو (بیماری کے سبب) ان شاء اللہ پاک ہو یا (یہ بیماری) کفارہ اور گناہوں سے پاکی کا ذریعہ ہے) جو جگہ اس کی دکھتی یا جس جگہ اسے درد ہوتا، وہاں اپنا مبارک ہاتھ پھیرتے، اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر دم ڈالتے۔

حضرت علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ "بیماری درد کی جگہ پر ہاتھ مبارک رکھ کر فرماتے **بسم اللہ ارقیک من کل داء یوذیک اللہ یشفیک** (اللہ کے نام سے میں ہر اس بیماری سے جو تجھے تکلیف دے دم کرتا ہوں اللہ تجھے شفاء دے) اور صحیحین یعنی بخاری شریف اور مسلم شریف میں ہے کہ جناب جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں بیمار ہو گیا۔

حضور اکرم ﷺ اور ابو بکر صدیقؓ میری بیمار پرسی کے لئے تشریف لائے۔ ان دونوں گرامی قدر حضرات نے مجھے بے ہوش پایا تو نبی کریم ﷺ نے وضو فرمایا اور وضو کا پانی مجھ پر چھڑکا۔ سو مجھے افاقہ ہو گیا، تو حضور پاک ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا اور ابوداؤد میں ہے کہ فنفخ فی وجهی فافقت میرے منہ پر دم کیا تو مجھے افاقہ ہو گیا اور اسی میں ہے کہ ارشاد فرمایا: یاجابر لا اراک میتا من وجعک هذا اے جابر تو اس درد سے نہیں مرے گا۔ یجب للمسلم علی المسلم ست یعنی ہر مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں"۔

جن میں سے ایک بیمار پرسی کا بھی ہے۔ بخاری شریف میں ہے۔ ام المومنین عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جب آپ ﷺ کسی مریض کو دیکھنے جاتے یا کوئی بیمار آپ کی خدمت میں حاضر کیا جاتا تو آپ ﷺ فرماتے اذهب الباس رب الناس، واشف انت الشافی، لا شفاء الا شفاءک شفاء لا یغادر سقما (اتحافات ص ۳۵۸) (اے لوگوں کے رب! اس (مریض) کے خوف وتکلیف کو دور فرمادے اور اس کو شفاء دے تیری ہی ذات شفاء دینے والی ہے تیری شفاء کے علاوہ تو کوئی شفاء ہے ہی نہیں اسے ایسی شفاء دے دے جو کسی بیماری کو نہ چھوڑے)

حضور ﷺ کا بیمار پرسی فرمانا علاوہ اور باتوں کے کمال تواضع بھی ہے۔ اس لئے کہ لان التواضع خروج الانسان عن مقتضی جاهه و تنزله عن مرتبة مثله (فتح ج ۲ ص ۱۴۲) (تواضع کسی انسان کا اپنے جاہ ومرتبہ کے مقتضیٰ سے خروج اور اپنے ہم مرتبہ اشخاص سے تنزل اختیار کرنا ہے)

ایک یہودی لڑکے کی عیادت اور دعوت اسلام:

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نقل فرماتے ہیں:

مریضوں کی عیادت جس درجہ کا بھی بیمار ہو شریف ہو یا کوئی معمولی آدمی ہو، حتی کہ غیر مسلموں کی عیادت بھی فرمایا کرتے تھے۔ ایک یہودی لڑکا حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا، کوئی خدمت بھی کبھی کر دیتا تھا، وہ بیمار ہوا۔ حضور اکرم ﷺ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ اُس کا آخری وقت تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے

شفقت کے طور پر اتنا حق ادا فرمایا اور اس کو اسلام کی تبلیغ فرمائی، اس نے اپنے یہودی باپ کی طرف دیکھا، اُس نے اجازت دیدی اور وہ مسلمان ہو گیا۔ حضور اکرم ﷺ نے اللہ کا شکر ادا فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہٗ ہی حمد کا سزاوار ہے، جس نے میری وجہ سے اس کو عذاب جہنم سے بچا دیا۔ یہی نہیں بلکہ رأس المنافقین عبداللہ بن ابی کی عیادت کے لئے بھی حضور اکرم ﷺ تشریف لے گئے، حالانکہ اس سے بہت سی اذیتیں پہنچی تھیں۔ (خصائل)

ترمذی میں ہے من عاد مریضا لم یحضر اجله فقال عنده "اسأل الله العظیم رب العرش العظیم ان یشفیک (سبع) فان الله تعالی یشفیه۔ (اتحافات ص ۳۴۷) (جس نے ایسے مریض کی عیادت کی کہ ابھی تک اسے پیغام موت نہیں پہنچا تھا اس کے پاس یہ دعا سات دفعہ پڑھی کہ میں اللہ تعالیٰ سے جو بڑی عظمت والے اور عرش عظیم کے مالک ہیں یہ سوال کرتا ہوں کہ تجھے شفاء دے دے تو پھر اللہ تعالیٰ اسے شفاء دے دیتا ہے)

عیادت کے اوقات کی تعیین نہیں:

آپ ﷺ نے بیمار پرسی کے لئے کسی خاص وقت کو مقرر نہیں فرمایا، بلکہ حسب فرصت وضرورت رات دن میں کسی وقت یہ عمل فرمایا کرتے۔ علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں ولم یکن من هدیه علیه الصلوة والسلام ان یخص یوما من الایام بعیادة المریض ولا وقتا من الاوقات بل شرع لامته عیادة المرضی لیلا و نهارا و فی سائر الاوقات و فی المسند عنه و اذا عاد الرجل اخاه المسلم مشی فی خرفة الجنة حتی یجلس فاذا جلس غمرته الرحمة فان کان غدوة صلی علیه سبعون الف ملک حتی یمسی وان کان مساء صلی علیه سبعون الف ملک حتی یصبح۔ (زاد المعاد ج ۱ ص ۱۴۷) (نبی کریم ﷺ کا طریقہ اور عادت مبارک بیمار پرسی کے متعلق نہ کسی خاص دن اور نہ کسی خاص وقت کی تعیین تھی بلکہ اپنی امت کی سہولت کے لئے دن اور رات کے سارے اوقات میں حسب فرصت بلا تکلف عیادت مریض کو مشروع اور جائز فرمایا ہے اور حدیث مرفوع میں آپ ﷺ سے منقول ہے کہ جب ایک شخص اپنے مسلمان بھائی کی بیمار پرسی کرتا ہے تو گویا جنت کے باغ میں جا رہا ہے تا آنکہ (بیمار کے پاس) بیٹھ جاتا ہے اور جب اس کے

پاس بیٹھتا ہے تو اس کو اللہ کی رحمت ڈھانپ لیتی ہے اگر وہ صبح کا وقت ہوتا ہے تو اس کے لئے شام تک ستر ہزار فرشتے رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں اور اگر شام کا وقت ہوتا ہے تو پھر صبح تک اس کے لئے ستر ہزار فرشتے دعا کرتے رہتے ہیں۔

جنازہ میں شرکت :

ویشهد الجنازة یعنی جنازہ پر تشریف لے جاتے۔ اس پر نماز ادا فرماتے اور اس کی مغفرت و بخشش کے لئے اللہ پاک سے دعائیں فرماتے اور ایسے مبارک ارشادات فرماتے جو بڑی عبرت و موعظت کا باعث بنتے۔ ای یحضرها لتشییعها والصلوة علیها سواء کانت لشریف او وضیع لما کان لاجل ذلک فعله به صلی اللہ علیه وسلم۔ (مواہب ص ۲۲۸) (آپ ﷺ ہر مسلمان کے جنازہ پر تشریف لے جاتے چاہے وہ معزز اور شریف ہوتا یا غیر شریف تو گویا امت کے لئے آپ ﷺ ایسے امور کے بطور اپنے اقتداء کے تاکید فرما رہے ہیں)

گدھے پر سوار ہونا :

ویرکب الحمار اونٹ اونٹنی اور گھوڑے کی موجودگی میں بھی آپ ﷺ گدھے پر سواری کر لیا کرتے تھے اور بسا اوقات کسی کو اپنے ساتھ بھی بٹھا لیا کرتے تھے۔ ملا علی قاری لکھتے ہیں ای مع قدرته علی الناقة والفرس والجمل وربما کان یردف احدا معه (جمع ج ۲ ص ۱۴۲) جب حضور اقدس ﷺ مکۃ المکرمہ تشریف لائے۔ بنی عبدالمطلب کے بچوں نے آپ ﷺ کا استقبال کیا۔ آپ ﷺ نے ایک بچے کو آگے بٹھا لیا اور ایک کو اپنے پیچھے۔ وجاء فی مختصر السیرة للمحب الطبری ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم رکب حمارا الی قباء وکان معه ابوهریرة فقال احملک بها فقال ما شئت یا رسول اللہ فوثب لیرکب فلم یقدر فاستمسک به صلی اللہ علیه وسلم فوقعا جمیعا ثم حاول ابوهریرة الرکوب مرة اخری فوقعا جمیعا (اتحافات ص ۳۵۹)

(محب الطبری کی "مختصر السیرۃ" میں ہے کہ آپ ﷺ قباء جانے کے لئے گدھے پر سوار ہوئے ابوہریرہؓ وہاں تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس پر آپ ﷺ کو بھی سوار کر کے لے جاؤں گا ابوہریرہؓ نے فرمایا جیسے کہ آپ ﷺ کی مرضی ہو۔ تو ابوہریرہؓ نے سوار ہونے کے لئے چھلانگ لگائی لیکن چڑھ نہ سکے۔ نبی کریم ﷺ نے گدھے کو روکا تو دونوں گر پڑے ابوہریرہؓ نے پھر سوار ہونے کا ارادہ کیا تو پھر گر دونوں گئے)۔

عرب کے گدھوں میں ایک خاص قسم ہے جو جثہ میں ہمارے ہاں کے موٹے خچروں سے بھی بڑے ہوتے ہیں اور تیز رفتاری میں معمولی ٹٹوؤں سے بڑھ کر ہوتے ہیں۔ وہ دو دو اور تین تین افراد کو بآسانی اٹھا لیتے ہیں اور ہمارے ہاں کے معمولی گھوڑوں سے طاقت و قوت اور رفتار میں بڑھ کر ہوتے ہیں۔ ممکن ہے کہ آپ ﷺ کے زمانہ میں بھی ہوں۔ تاہم گھوڑوں کے مقابلہ میں یہ ادنیٰ درجہ کی سواری شمار ہوتی ہے۔ یہاں بھی مقصود ہے کہ آپ ﷺ کو باوجود اس عزت و رفعت اور عظمت و مقام کے جو دونوں جہان کے سرداری سے حاصل تھا، گدھے کی سواری سے استنکاف نہ تھا۔ وتسلی به اکابر السلف فی ذلک فقد کان لسالم بن عبد اللہ بن عمر حمار هرم فنهاه بنوه عن رکوبه فلم یمتنع فجدعوا اذنه فرکبه فجدعوا الاخری فرکبه فقطعوا ذنبه فصار یرکبه مجدوع الاذنین مقطوع الذنب (مواہب ص ۲۲۸) (اور آپ ﷺ کی اقتداء میں بہت سے اکابر و اسلاف امت نے گدھے کی سواری کو پسند فرمایا چنانچہ حضرت سالم ابن عبداللہ بن عمرؓ کا ایک بہت بوڑھا گدھا تھا اس کے بیٹوں نے اس پر سوار ہونے سے اس کو منع کیا لیکن حضرت سالمؒ نہ مانے تو انہوں نے گدھے کا ایک کان کاٹ دیا پھر بھی اس پر سواری کرتے رہے تو انہوں نے دوسرا کان بھی کاٹ دیا تو پھر بھی اس پر سوار ہوتے رہے تو حضرت سالمؒ کے بیٹوں نے گدھے کی دم بھی کاٹ دی لیکن پھر حضرت سالمؒ کان اور دم کٹے ہوئے گدھے پر سواری فرماتے تھے (اور اسے معیوب نہ جانتے تھے)

دعوت قبول فرمانا :

یجیب دعوة العبد آپ ﷺ غلاموں کی دعوت کو بھی قبول فرماتے۔ چاہے

جس ضرورت و حاجت کے لئے آپ کو بلاتے۔ خواہ وہ قریب والے ہوتے یا دور والے
ہوتے۔ جیسا کہ ایک روایت میں عبد کی جگہ المملوک کی تصریح بھی آئی ہے۔ ای الی
ای حاجۃ دعاہ (جمع ج۲ ص۱۴۳) ممکن ہے کہ یہاں "العبد" سے مراد "عبد
ماذون" ہو جو اپنے مالک کی اجازت سے دوسرے کی دعوت کر سکتا ہے۔ یا عبد سے مراد
آزاد کردہ غلام ہو۔ و سمی عبدا باعتبار ما کان فالمراد بہ المعتوق (جمع ج۲ ص۱۴۳)
(اور اس کو غلام باعتبار گزشتہ زمانہ کے کہا تو اس سے مراد آزاد شدہ غلام ہیں) کہ عبد
معتوق' آزاد ہونے کے بعد مفلس ہوتا ہے اور اگر غلام ہی کی دعوت ہے تو دعوت سے مراد
حاجت کے لئے بلانا ہے۔ تاکہ عدم ملک کا شبہ نہ ہو، جیسا کہ شروع میں عرض کیا ہے۔ اگر
کوئی شخص اپنے غلام کو بھیج کر آپ ﷺ کو دعوت دیتا تھا تو قبول فرما لیتے اور استنکاف نہ
فرماتے کہ دعوت دینے کے لئے صاحب خانہ یا اس کے خاندان کا فرد خود کیوں نہیں آئے۔
یہ صورت تب بنتی ہے جب عبد سے مراد "عبد رقیق" ہو۔ جبکہ یہ وتیرہ متکبرین کا ہوتا ہے کہ
وہ غلام کی دعوت یا غلام کے ذریعہ دعوت پر استنکاف کرتے ہیں' اسی بات کا تذکرہ ملا علی
قاریؒ فرما رہے ہیں او کان یجیب دعوۃ العبد من عند سیدہ و لم یمتنع عن اجابتہ
لعلم ما الی سیدہ بنفسہ کما ھو شان الاکابر فی الزمان ۔ (جمع ج۲ ص۱۴۳)

الغرض آپ عام لوگوں' فقراء' غرباء' مساکین' غلاموں اور محبین کی دعوت قبول فرمایا
کرتے تھے۔ ان کے ہاں تشریف لے جاتے، ان کی دلجوئی فرماتے اور اس سے اُن کی
عزت افزائی ہوتی تھی ۔ عن انس قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقعد علی
الارض و یاکل علی الارض و یجیب دعوۃ المملوک ای علی خبز الشعیر و یقول
لو دعیت الی ذراع لاجبت ولو اھدی الی کراع لقبلت و کان یحلب شاتہ ۔ (جمع ج۲ ص
۱۴۳) (حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ زمین پر بیٹھتے بھی تھے اور اس پر
کھانا بھی کھاتے اور آپ ﷺ آزاد شدہ غلام کی دعوت یعنی جو کی روٹی بھی قبول فرمایا
کرتے اور کہتے کہ اگر میں بلایا جاؤں بکری کے دست (چوڑی) کھانے کے لئے تو بھی یہ
دعوت قبول کروں گا اور اگر مجھے ہدیہ میں (بکری، گائے کے) پائے اور کھرے بھی دیے

جائیں تو بھی قبول کروں گا اور آپ ﷺ اپنے بکری کا دودھ نکالا (دوہا) کرتے)

بنو قریظہ !

وکان یوم بنی قریظۃ ...... جنگ احزاب جب ختم ہوئی تو حضور اقدس
ﷺ نے ہتھیار اُتار دینا چاہے، مگر حضرت جبرئیل تشریف لائے اور فرمایا کہ ہتھیار
اُتارنے سے پہلے مدینہ کے نواح میں یہودی آبادی بنو قریظہ کے متعلق فیصلہ کر لیں۔
چنانچہ آپ ﷺ نے فتح احزاب کے بعد بنو قریظہ کے لئے لشکر روانہ فرمایا۔ اب حالت یہ
تھی کہ یہودیوں کے لئے ہمیشہ کا فیصلہ ہو رہا تھا۔ مسلمان غالب اور فاتحانہ انداز میں داخل
ہو رہے تھے۔ اس روز بھی آپ ﷺ کے پاس نہ تو عمدہ سواری تھی اور نہ اس زمانے کے
فاتحین اور سرداروں کی طرح کسی شان و شوکت کا اظہار تھا، نہ تو قیمتی اور شان و شوکت اور بنی
مخطی لگام تھی، نہ کوئی عمدہ پالان' کجاوہ یا مقعد تھا، جس کا پالان "من لیف" یعنی کھجور کے
چھال سے بنا ہوا تھا۔

وعلیہ اکاف' اکاف لکڑی اور کاٹھی کو کہتے ہیں، یعنی پالان گدھے کی جس
طرح زین گھوڑے کی ہوتی ہے۔ ھو کالسرج للفرس "من لیف" من بیاضہ و
رکوب الحمار مع ھذا الانتصار' خلق لا یقدر علیہ الا السید المختار (احمالات ص
۳۵۹) (اور گدھے پر سوار ہونا باوجود غلبہ اور کامیاب ہونے کے یہ ایسا بلند عالی خلق و خصلت
ہے کہ حضور ﷺ کے علاوہ کسی میں بھی یہ قدرت نہیں کہ اس کو پسند و اختیار کرے)
وقد نظم الحافظ العراقی معنی ھذا الخبر فاجاد حیث قال ......

یمشی مع المسکین والارملۃ — فی حاجۃ من غیر ما انفۃ
یردف خلفہ علی الحمار — علی اکاف غیر ذی استکبار
یمشی بلا نعل و لا خف الی — عیادۃ المریض حولہ الملا

(مناوی ج۲ ص۱۶۵)

(اور اس کو بہتر انداز میں حافظ العراقیؒ نے منظوم کیا ہے کہ بغیر کسی استنکاف کے مسکینوں
اور بیواؤں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے ان کے ساتھ چلا کرتے اور ردیف بنا کر

اپنے پیچھے بھی کسی کو گدھے کی پالان پر بٹھلاتے نہ تکبر اور غرور کرتے ہوئے۔ آپ ﷺ بغیر جوتوں اور موزوں کے بھی بیمار پرسی کے لئے بڑی جماعت کے ہمراہ تشریف لے جاتے (یا یہ مطلب کہ آپ ﷺ بغیر جوتے اور موزوں کے بیمار پرسی کو تشریف لے جاتے اور بیمار کے پاس ایک بڑی جماعت موجود ہوتی تھی)

(۳/۳۱۹) حَدَّثَنَا وَاصِلُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى الْكُوفِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُدْعَى إِلَى خُبْزِ الشَّعِيرِ وَالْإِهَالَةِ السَّنِخَةِ فَيُجِيبُ وَلَقَدْ كَانَتْ لَهُ دِرْعٌ عِنْدَ يَهُودِيٍّ فَمَا وَجَدَ مَا يَفُكُّهَا حَتَّى مَاتَ۔

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں واصل بن عبدالاعلیٰ کوفیؒ نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے محمد بن فضیل نے اعمش کے واسطے سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جَو کی روٹی اور کئی دن کی باسی پرانی چکنائی کی دعوت کیے جاتے تو آپ ﷺ (اس کو بھی بے تکلف) قبول فرما لیتے۔ آپ ﷺ کی ایک زرہ ایک یہودی کے پاس رہن تھی۔ آخر عمر تک حضور اکرم ﷺ کے پاس اس کے چھڑوانے کے لائق دام نہیں ہوئے

بعض الفاظ حدیث کی تشریح:

یدعی الی خبز الشعیر ..... شعیر جَو کو کہتے ہیں۔ الاہالہ ہر وہ روغن جو بطور سالن کے استعمال ہو اور بعض کہتے ہیں کہ وہ تیل جو چربی یا الیہ (دنبے کی لاٹ) سے پگھلا کر نکالا گیا ہو اور بعض منجمد دسومت کو کہتے ہیں جیسے کہ ملا علی قاریؒ بھی لکھتے ہیں کہ وھو کل شیء من الادھان مما یؤتدم بہ وقیل ما اذیب من الالیۃ والشحم وقیل الدسم الجامد (جمع ج ۲ ص ۱۹۵)

السنخۃ قال الزمخشری سنخ اذا تغیر وفسد واصلہ فی الاسنان یقال سنخت الاسنان اذا فسدت اسناخہا (علامہ زمخشریؒ سنخۃ کا معنی یہ کرتے ہیں کہ جب کسی چیز

اور کھانے میں تغیر تبدل اور فساد آ جائے تو پھر کہا جاتا ہے کہ سنخ ای الشیء او الطعام۔ اور دراصل اس کا ماخذ دانتوں میں سے ہے۔

عرب کا محاورہ ہے کہا جاتا ہے سنخت الاسنان جب دانتوں کی جڑ اور بنیاد میں خرابی آ جائے) شیخ الباجوریؒ تو اس سے یہ مسئلہ بھی نکالتے ہیں کہ ویوخذ من ذلک جواز اکل المنتن من لحم وغیرہ حیث لا ضرر (مواہب ص ۲۲۹) (کہ جب کسی ضرر اور نقصان کا احتمال نہ ہو تو پھر بدبودار چیز کا کھانا (چاہے گوشت ہو یا کوئی اور چیز) جائز ہے) بعض لوگوں نے اس کے معنی میں بدبودار کا اضافہ کیا ہے مگر یہ درست نہیں۔ پرانا ہونا منجمد ہونا اور بات ہے اور بدبودار ہونا اور بات۔ آپ ﷺ نظیف تھے اور بدبودار چیز آپ ﷺ کو ناپسند تھی۔ اس لئے پیاز کھا کر مسجد جانے سے بھی منع فرمایا۔

سادگی اور فروتنی کی انتہاء:

ولقد کانت لہ درع " آپ ﷺ کی سادگی اور فروتنی کا یہ عالم تھا کہ زندگی کے آخری ایام میں بھی آپ کی زرہ (جس کا نام ذات الفضول تھا) کسی ضرورت کے پیش نظر ایک یہودی (جس کا نام ابوشحم تھا) کے پاس رہن پڑی ہوئی تھی بعد میں اسے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آزاد کرا کے بیت المال میں جمع کرایا۔

فما وجدھا یعنی وصال تک رقم میسر نہ ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ اسے یہودی سے نہ چھڑا سکے، لانہ صلی اللہ علیہ وسلم مات فقیرا وقد فکھا من بعدہ ابوبکرؓ و قیل الامام علی، وھذہ الحال مع ما کان علیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم من مال خیبر وارض فدک و غنائم الجھاد۔ (اتحافات ص ۳۰۶) (اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے فقیری کی حالت میں وصال فرمایا اور آپ ﷺ کے بعد ابوبکرؓ نے اسے چھڑا لیا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے چھڑایا تھا اور آپ ﷺ نے زندگی اس فقیرانہ حال میں گزاری باوجود یکہ مال خیبر فدک والی زمین اور جہاد میں مال غنیمت وغیرہ کے اسباب موجود تھے)

اخذِ مسائل :

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غیر مسلم کے ساتھ خرید و فروخت، رہن اور قرض کا لینا دینا جائز ہے۔ وکان الرھن عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند الیھودی لبیان جواز ذلک۔ (اتحافات ص ۳۶)

بحالتِ قرض انتقال پر ایک شبہ اور جواب :

اگر شبہ ہو کہ آپ ﷺ تو اس شخص کا جنازہ نہیں پڑھتے تھے جو اپنے اوپر دَین چھوڑ جاتے تھے۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے اپنے ذمہ قرضہ چھوڑا۔ جواب یہ ہے کہ وہ جنازہ نہ پڑھنا اس لئے تھا کہ وہ لوگ باوجود قدرت کے قرض خواہ کو قرض ادا نہیں کرتے تھے۔ یا اس دَین کی ادائگی کے لئے کچھ باقی نہیں چھوڑتے تھے۔ آپ ﷺ کو تو ادا کی قدرت نہ تھی۔ دوسرے وفاءِ دَین کے لئے زرہ یہودی کے پاس چھوڑ دی تھی جو اس کے قرض سے زائد قیمت کی تھی۔ دوسرے صحابہ کرامؓ جیسی جانثار جماعت کے ہوتے ہوئے آپ ﷺ نے جو یہود عدو اللہ وعدو المسلمین کے پاس زرہ رہن رکھی۔ اس سے آپ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ معاملات اور معاوضہ مالی اجانب سے کرنا چاہئے تاکہ اپنے احباب اور اقارب سے معاملہ کرکے کبھی قطع تعلقات کی نوبت نہ آئے۔

اگرچہ صحابہ کرامؓ پر اور خود آنحضرت ﷺ پر فقر و فاقہ کا دور گزرا ہے۔ مگر آخر میں نہ آپ ﷺ کی یہ حالت تھی اور نہ صحابہ کرامؓ کی تھی۔ قریباً سو (۱۰۰) کے قریب صحابہ کرامؓ متمول تھے مگر پھر بھی آپ ﷺ نے زرہ کو یہودی کے پاس رہن رکھا۔ صحابہ کرامؓ میں سے کسی کو اشارہ تک نہیں کیا، ورنہ حضور ﷺ کے لئے تو جان حاضر تھی، یہ ادنیٰ رقم کون نہیں دے سکتا تھا۔ تو یہ غایت تواضع پر محمول ہے اور اُمت کو تعلیم دینا ہے کہ جس سے تعلقات تھے۔ اس سے معاملہ نہیں کیا کہ اوّلاً تو کوئی رہن نہیں رکھے گا، اگر کوئی رکھے گا تو تکلف کرے گا تو آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو اطلاع کرنا بھی گوارا نہ کیا۔

(۳۳۵) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُوْ دَاوُدَ الْحَفَرِيُّ عَنْ سُفْيَانَ عَنِ الرَّبِيْعِ بْنِ صَبِيْحٍ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ أَبَانَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ حَجَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى رَحْلٍ رَثٍّ وَعَلَيْهِ قَطِيْفَةٌ لَا تُسَاوِيْ أَرْبَعَةَ دَرَاهِمَ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا لَا رِيَاءَ فِيْهِ وَلَا سُمْعَةَ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمود بن غیلان نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابوداؤد حفری نے سفیان کے حوالے سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت ربیع بن صبیح سے اور انہوں نے یزید بن ابان سے نقل کی۔ انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک پرانے پالان پر حج کیا۔ اس پر ایک کپڑا پڑا ہوا تھا، جو چار درہم کا بھی نہیں ہوگا اور حضور ﷺ یہ دعا مانگ رہے تھے کہ یا اللہ اس حج کو ایسا حج فرمائیو، جس میں ریا اور شہرت نہ ہو۔

راویانِ حدیث (۶۰۱) ابوداؤد الحفریؒ اور (۶۰۲) الربیع بن صبیحؒ کے حالات "تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

رحل اونٹ کے پالان۔ رثّ بوسیدہ، پھٹے پرانے اور "قطیفۃ" پرانی چادر کو کہتے ہیں، جس پر حاشیہ لگا ہوا ہو۔

تواضع وعبدیت کا اظہار :

مضمون حدیث تحت اللفظ ترجمہ میں آ گیا ہے۔ یہ آپ ﷺ کی کمال تواضع، فروتنی اور عاجزی تھی، جس کا اظہار بارگاہِ قدس میں فرمایا، ورنہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ہر قسم کی عنایتوں، بخششوں اور نعمتوں سے سرفراز فرمایا تھا۔

جس کا اظہار بھی آپ ﷺ نے اس موقع پر یوں کیا تھا کہ اسی حج مبارک میں قربانی کے وقت ایک سو اونٹ کی قربانی اللہ کے حضور میں پیش فرمائی اور صحابہ کرامؓ کو وہ کچھ عطا فرمایا، جس کا کوئی حساب ہی نہیں۔

ریا و شہرت سے حفاظت کی دعا :

اللهم اجعله حجاً ...... یعنی اے اللہ! اس حج کو ایسا حج بنا، جس میں نہ تو دکھاوا ہو اور نہ ہی سمعہ و شہرت' یعنی اللہ کریم کے حضور اپنی عاجزی' مسکینی اور تواضع و عبدیت کا اظہار بھی کمال درجے کا فرماتے۔ بہرحال یہ دعا حضور اقدس ﷺ کے تواضع و عبدیت کی اعلیٰ دلیل ہے، کیونکہ اس سے نہ تو ریاکاری پیدا ہوتی ہے، اور نہ سمعہ و شہرت کا شائبہ، پھر ظاہر ہے کہ حضور اقدس ﷺ ہی معصوم ہونے کی وجہ سے ان چیزوں سے پاک تھے۔ اس لئے علماء فرماتے ہیں کہ یہ دعا تعلیم اُمت کی غرض سے تھی۔

ہاں! ریاکاری اور شہرت و سمعہ تو ان لوگوں میں آ سکتا ہے، جو کہ نفیس سواریوں پر جچیں اور اعلیٰ و عمدہ قیمتی لباس پہن کر حج کریں۔ عیش و عشرت کے سامان و اسباب کا اس کے پاس وفور ہو ان کے پاس گروہ در گروہ اونٹوں کی جماعتیں ہوں۔ یہ ساری باتیں ہمارے اس دور کے اہل علم کے لئے عبرت ہیں' اگرچہ حضور اقدس ﷺ نے اسی حج میں ایک سو اونٹ ذبح کیے۔ اپنے صحابہ کرام کو تحفے دیے اور سخاوت اس قدر کی کہ کسی شخص نے اس سے پہلے نہ سنی نہ دیکھی۔ ان اصحاب میں سے ایک مثال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہے کہ آپ کو ہدیہ کے طور پر بے شمار اونٹ عطا کیے۔ مزید براں تین سو دینار بھی ان کی طرف بھیجے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس قدر عطاء دیکھ کر حیران رہ گئے اور قبول نہ کر سکے، و منهم عمر اهدی فیما اهدی له بعیرا اعطی له ثلثمائة دینارا فلبی قبولها۔

(مناوی ج ۲ ص ۱۶۸)

(۳۲۱/۲) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَخْبَرَنَا عَفَّانُ اَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمْ يَكُنْ شَخْصٌ اَحَبَّ اِلَيْهِمْ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَكَانُوْا اِذَا رَاَوْهُ لَمْ يَقُوْمُوْا لِمَا يَعْلَمُوْنَ مِنْ كَرَاهِيَتِهِ لِذٰلِكَ ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عفان نے خبر دی، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں حماد بن سلمہ نے حمید کے واسطے سے خبر

دی اور انہوں نے اسے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صحابہؓ کے نزدیک حضور ﷺ سے زیادہ محبوب کوئی شخص دنیا میں نہیں تھا۔ اس کے باوجود پھر بھی وہ حضور اقدس ﷺ کو دیکھ کر اس لئے کھڑے نہیں ہوتے تھے کہ حضور اکرم ﷺ کو یہ پسند نہیں تھا۔

صحابہ کرامؓ اور محبت رسول ﷺ :

لم یکن شخص احب الیهم ...... یعنی صحابہ کرامؓ کے لئے حضور اقدس ﷺ سے زیادہ محبوب کوئی دوسرا شخص نہیں تھا اور کیسے کوئی دوسرا آدمی پیارا اور محبوب ہو سکتا ہے، جبکہ سرور عالم ﷺ نے ان کو دولت توحید سے نوازا۔ گمراہی کے عمیق گڑھوں سے نکال کر سعادت اور نیک عملی کی بلندیاں نصیب فرمائیں۔ جہنم کے عذاب سے بچا کر جنت کی نعمتیں مرحمت فرما دیں۔ جاہل عرب کی انتہائی بداخلاقیوں سے چھٹکارا دلا کر مکارم اخلاق پر فائز فرمایا۔

نیز آنحضور ﷺ ذات ستودہ صفات کو محبوب رکھنا ہی تکمیل ایمان ہے۔ حضور ﷺ کی محبت کے بغیر تو مسلمان' مسلمان ہی نہیں ہوتا۔ الا لا ایمان لمن لا محبة له آگاہ رہو کہ جس شخص کو حضور ﷺ سے محبت نہیں، اس کا ایمان مکمل ہی نہیں۔

ایک بار سیدنا امیر المؤمنین عمر بن الخطابؓ نے عرض کیا "اے اللہ تعالیٰ کے رسول! ہر ایک چیز سے آپ مجھے پیارے ہیں، سوائے اپنی جان کے" تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تیرا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں' جب تک کہ تجھے میں اپنی جان سے بھی پیارا نہ ہو جاؤں"۔

تو حضرت عمرؓ کچھ دیر خاموش رہے، پھر عرض کیا کہ "اب آپ ﷺ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں" تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا الآن تم ایمانک یا عمر اے عمر! اب تیرا ایمان پورا ہو گیا۔ یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرامؓ اپنے باپ' بھائی' مال اور ہر چیز سے زیادہ حضور ﷺ سے محبت فرماتے ہیں اور آنجناب ﷺ کے عشق میں مست و الست تھے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو حضور اقدس ﷺ کی محبت کاملہ و صادقہ عطا فرمائے۔ (آمین)

حضورِ اقدسؐ اپنے لئے لوگوں کا کھڑا ہونا پسند نہیں فرماتے تھے :

لم یکونوا لما یعلمون ...... اگرچہ حضرات صحابہ کرامؓ کی قلبی محبت کا یہ تقاضا تھا کہ وہ آپ ﷺ کی آمد کے موقع پر آپ کے احترام میں کھڑے ہوں، مگر چونکہ آپ ﷺ اس قسم کی ظاہرداریوں کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ لہٰذا صحابہ کرامؓ کھڑے نہیں ہوتے تھے۔

علماء کرام نے اس کی ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ اکثر اوقات ضروریات کے لئے گھر آتے جاتے تھے اور ضروریات کے لئے بار بار اٹھنا اور آنا جانا پڑتا تھا، تو اس طرح ہر وقت صحابہ کرامؓ کا اٹھنا بیٹھنا آپ ﷺ کو ناگوار تھا۔ اسی میں کمالِ تواضع کا پہلو بھی نمایاں ہے۔

تعظیماً کھڑا ہونا مستحب ہے :

بعض علماء نے اس سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ کسی کی تعظیم کے لئے کھڑا ہی نہیں ہونا چاہئے۔ حالانکہ خود حضورِ اقدس ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے تعظیم کے لئے کھڑا ہونا ثابت ہے۔ آپ ﷺ کئی دفعہ تعظیم کے لئے کھڑے ہوئے۔ حضرت حلیمہ سعدیہؓ اور حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کے واقعات سے قیامِ تعظیمی کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

ابوداؤد میں روایت ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ مسجد میں ہمارے ساتھ باتیں کرتے تھے اور جب کھڑے ہو جاتے تو ہم بھی کھڑے ہو جاتے اور اس وقت تک کھڑے رہتے، جب تک کہ آپ ﷺ دولت خانہ میں تشریف نہ لے جاتے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یحدثنا فاذا قام قمنا قیاماً حتی نراہ قد دخل۔ (جمع ج ۲ ص ۱۶۷)

اس لئے امام نوویؒ بھی فرماتے ہیں کہ ارباب فضل وکمال اور ذی وجاہت و ذی شرف لوگوں کے لئے کھڑا ہونا مستحب ہے۔ و ھذا القیام للقادم من اھل الفضل من علم او صلاح او شرف مستحب۔ (جمع ج ۲ ص ۱۶۷)۔

حضورِ اکرم ﷺ نے بھی انصار صحابہ کرامؓ سے فرمایا "قوموا الی سیدکم (تم اپنے سردار کے لئے اٹھ کھڑے ہو) محشی مشکوٰۃ شریف بحوالہ مرقات لکھتے ہیں۔ قال الموفق ھذا القیام یکون علی وجہ البر والاکرام کما کان قیام الانصار لسعد و قیام طلحۃ لکعب بن مالک (امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ یہ کھڑا ہونا اعزاز و اکرام کے لئے تھا جیسے کہ قبیلہ انصار کا حضرت سعدؓ کے لئے کھڑا ہونا اور حضرت طلحہؓ کا کعب بن مالکؓ کے لئے کھڑا ہونا) اور اسی کے ساتھ یہ بھی ذکر ہے کہ و فی حدیث سعد دلالۃ علی ان قیام المرء بین یدی الرئیس الفاضل و الوالی العادل و قیام المتعلم للمعلم مستحب غیر مکروہ (مشکوٰۃ ص ۴۰۳) (اور حضرت سعدؓ کے واقعہ سے دلالۃً معلوم ہوتا ہے کہ عادل بادشاہ یا ایک معزز رئیس کے لئے کھڑا ہونا نیز شاگرد کا استاد کے لئے کھڑا ہونا مستحب ہے مکروہ نہیں ہے)۔

محققین کی رائے :

محققین کی رائے بھی یہی ہے کہ روایات میں تعارض نہیں ہے، بلکہ کھڑے ہونے کے اسباب اور وجوہ مختلف ہیں۔ اس وجہ سے احادیث میں بھی مختلف احکام ملتے ہیں۔

کھڑے ہونے کی چار قسمیں :

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ نقل فرماتے ہیں "ابو الولید بن رشید کہتے ہیں کہ کسی شخص کے لئے کھڑا ہونا چار طرح ہوتا ہے۔

(۱) ناجائز! ایسے شخص کے واسطے کھڑا ہونا ہے، جو تکبر کی وجہ سے اس کو پسند کرتا ہو کہ جب وہ آئے لوگ کھڑے ہو جائیں۔ (۲) مکروہ! ایسے شخص کے لئے کھڑا ہونا ہے جو متکبر تو نہیں ہے، لیکن اندیشہ ہے کہ اس کے ساتھ اگر ایسا معاملہ کیا جائے تو اس میں تکبر اور عجب پیدا ہو جائے۔ (۳) جائز ہے! ایسے شخص کے لئے جہاں یہ اندیشہ نہ ہو۔ (۴) مستحب ہے! اس شخص کے واسطے کھڑا ہونا جو سفر وغیرہ سے آیا ہو، اس کے آنے کی خوشی میں کھڑا ہو جائے۔ (خصائل)

تعظیماً کھڑے ہونے کی ممانعت کی وجہ :

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ ممانعت اس قیام کی ہے کہ بڑا آدمی بیٹھا رہے اور لوگ اس کے سامنے اس کے بیٹھے رہنے تک کھڑے رہیں، ملا علی قاریؒ بھی یہی لکھتے ہیں لیس هذا من القیام المنهی عنه انما ذاک فیمن یقومون علیه و هو جالس و یمکثون فیما طول جلوسه (مرقات ج۹ ص۱۷۱) ممانعت کی احادیث کی مراد یہ ہے کہ اس طرح نہیں کھڑا ہونا چاہئے، جس طرح کہ عجمی لوگ اپنے سرداروں کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہیں۔

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی تحقیق :

فقیہ النفس محدث کبیر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی تحقیق یہ ہے کہ فی حد ذاتہ کھڑا ہونا جائز ہے، جب تک کہ کوئی ایسا عارض پیش نہ آئے، جو اس کو ناجائز بنادے۔ مثلاً اس شخص کا فتنہ میں پڑ جانا، جس کے لئے قیام کیا ہے کہ اس میں تکبر وغیرہ پیدا ہو اور اس کے دین وایمان کا نقصان ہو یا نفاق کے طور پر کھڑا ہو، مگر اس شخص کی عظمت واحترام دل میں نہ ہو یا ریاکاری ہو یہ صورتیں بہرحال ناجائز ہیں۔ انما کرهه تواضعا و شفقة علیهم و خوفاً علیهم من الفتنة اذا افرطوا فی تعظیمه (سحاب ص۳۴)
(اور آپ ﷺ کا ان کے کھڑے ہونے کو ناپسند فرمانا بطور اپنی تواضع اور ان پر رحم وشفقت کرنے (کہ بار بار کھڑے ہونے سے تکلیف ہوگی) نیز اس خطرہ کے پیش نظر بھی کہ کہیں تعظیم میں حد سے تجاوز کر کے کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہو جاویں)

(۳۲۲/۷) حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيْعٍ حَدَّثَنَا جُمَيْعُ بْنُ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْعِجْلِيُّ حَدَّثَنِيْ رَجُلٌ مِّنْ بَنِيْ تَمِيْمٍ مِّنْ وُلْدِ اَبِيْ هَالَةَ زَوْجِ خَدِيْجَةَ يُكْنٰى اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنٍ لِاَبِيْ هَالَةَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ سَاَلْتُ خَالِيْ هِنْدَ بْنَ اَبِيْ هَالَةَ وَكَانَ وَصَّافًا عَنْ حِلْيَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

وَاَنَا اَشْتَهِيْ اَنْ يَصِفَ لِيْ مِنْهَا شَيْئًا فَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخْمًا مُفَخَّمًا يَتَلَاْلَاُ وَجْهُهُ تَلَاْلُؤَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ بِطُوْلِهِ قَالَ الْحَسَنُ فَكَتَمْتُهَا الْحُسَيْنَ زَمَانًا ثُمَّ حَدَّثْتُهُ فَوَجَدْتُهُ قَدْ سَبَقَنِيْ اِلَيْهِ فَسَاَلَهُ عَمَّا سَاَلْتُهُ عَنْهُ وَوَجَدْتُهُ قَدْ سَاَلَ اَبَاهُ عَنْ مَدْخَلِهِ وَعَنْ مَخْرَجِهِ وَشَكْلِهِ فَلَمْ يَدَعْ مِنْهُ شَيْئًا قَالَ الْحُسَيْنُ فَسَاَلْتُ اَبِيْ عَنْ دُخُوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَ اِذَا اَوٰى اِلٰى مَنْزِلِهِ جَزَّاَ دُخُوْلَهُ ثَلَاثَةَ اَجْزَاءٍ جُزْءًا لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَجُزْءًا لِاَهْلِهِ وَجُزْءًا لِنَفْسِهِ ثُمَّ جَزَّاَ جُزْءَهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّاسِ فَيَرُدُّ ذٰلِكَ بِالْخَاصَّةِ عَلَى الْعَامَّةِ وَلَا يَدَّخِرُ عَنْهُمْ شَيْئًا وَكَانَ مِنْ سِيْرَتِهِ فِيْ جُزْءِ الْاُمَّةِ اِيْثَارُ اَهْلِ الْفَضْلِ بِاِذْنِهِ وَقَسْمُهُ عَلٰى قَدْرِ فَضْلِهِمْ فِي الدِّيْنِ فَمِنْهُمْ ذُو الْحَاجَةِ وَمِنْهُمْ ذُو الْحَاجَتَيْنِ وَمِنْهُمْ ذُو الْحَوَائِجِ فَيَتَشَاغَلُ بِهِمْ وَيَشْغَلُهُمْ فِيْمَا يُصْلِحُهُمْ وَالْاُمَّةَ مِنْ مَسْاَلَتِهِمْ عَنْهُ وَاِخْبَارِهِمْ بِالَّذِيْ يَنْبَغِيْ لَهُمْ وَيَقُوْلُ لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ مِنْكُمُ الْغَائِبَ وَاَبْلِغُوْنِيْ حَاجَةَ مَنْ لَا يَسْتَطِيْعُ اِبْلَاغَهَا فَاِنَّهُ مَنْ اَبْلَغَ سُلْطَانًا حَاجَةَ مَنْ لَا يَسْتَطِيْعُ اِبْلَاغَهَا ثَبَّتَ اللّٰهُ قَدَمَيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُذْكَرُ عِنْدَهُ اِلَّا ذٰلِكَ وَلَا يَقْبَلُ مِنْ اَحَدٍ غَيْرَهُ يَدْخُلُوْنَ رُوَّادًا وَلَا يَفْتَرِقُوْنَ اِلَّا عَنْ ذَوَاقٍ وَيَخْرُجُوْنَ اَدِلَّةً يَعْنِيْ عَلَى الْخَيْرِ قَالَ فَسَاَلْتُهُ عَنْ مَخْرَجِهِ كَيْفَ كَانَ يَصْنَعُ فِيْهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْزُنُ لِسَانَهُ اِلَّا فِيْمَا يَعْنِيْهِ وَيُؤَلِّفُهُمْ وَلَا يُنَفِّرُهُمْ وَيُكْرِمُ كَرِيْمَ كُلِّ قَوْمٍ وَيُوَلِّيْهِ عَلَيْهِمْ وَيُحَذِّرُ النَّاسَ وَيَحْتَرِسُ مِنْهُمْ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَطْوِيَ عَلٰى اَحَدٍ مِنْهُمْ بِشْرَهُ وَخُلُقَهُ وَيَتَفَقَّدُ اَصْحَابَهُ وَيَسْاَلُ النَّاسَ عَمَّا فِي النَّاسِ وَيُحَسِّنُ الْحَسَنَ وَيُقَوِّيْهِ وَيُقَبِّحُ الْقَبِيْحَ وَيُوَهِّيْهِ مُعْتَدِلُ الْاَمْرِ غَيْرُ مُخْتَلِفٍ لَا يَغْفُلُ مَخَافَةَ اَنْ يَغْفُلُوْا اَوْ يَمَلُّوْا لِكُلِّ حَالٍ عِنْدَهُ عَتَادٌ لَا يُقَصِّرُ عَنِ الْحَقِّ وَلَا يُجَاوِزُهُ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُ مِنَ النَّاسِ خِيَارُهُمْ اَفْضَلُهُمْ عِنْدَهُ اَعَمُّهُمْ نَصِيْحَةً وَاَعْظَمُهُمْ عِنْدَهُ مَنْزِلَةً اَحْسَنُهُمْ مُوَاسَاةً وَمُوَازَرَةً قَالَ فَسَاَلْتُهُ عَنْ مَجْلِسِهِ فَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقُوْمُ وَلَا يَجْلِسُ اِلَّا عَلٰى

ذِکْرٍ وَإِذَا انْتَهَى إِلَى قَوْمٍ جَلَسَ حَيْثُ يَنْتَهِي بِهِ الْمَجْلِسُ وَيَأْمُرُ بِذٰلِكَ يُعْطِي كُلَّ جُلَسَائِهِ بِنَصِيبِهِ لَا يَحْسَبُ جَلِيسُهُ أَنَّ أَحَدًا أَكْرَمُ عَلَيْهِ مِنْ جَالَسَهُ أَوْ فَاوَضَهُ فِي حَاجَةٍ صَابَرَهُ حَتّٰى يَكُونَ هُوَ الْمُنْصَرِفُ عَنْهُ وَمَنْ سَأَلَهُ حَاجَةً لَمْ يَرُدَّهُ إِلَّا بِهَا أَوْ بِمَيْسُورٍ مِنَ الْقَوْلِ قَدْ وَسِعَ النَّاسَ بَسْطُهُ وَخُلُقُهُ فَصَارَ لَهُمْ أَبًا وَصَارُوا عِنْدَهُ فِي الْحَقِّ سَوَاءً مَجْلِسُهُ مَجْلِسُ حِلْمٍ وَحَيَاءٍ وَصَبْرٍ وَأَمَانَةٍ لَا تُرْفَعُ فِيهِ الْأَصْوَاتُ وَلَا تُؤْبَنُ فِيهِ الْحُرَمُ وَلَا تُنْثٰى فَلَتَاتُهُ مُتَعَادِلِيْنَ يَتَفَاضَلُونَ فِيهِ بِالتَّقْوٰى مُتَوَاضِعِيْنَ يُوَقِّرُونَ فِيهِ الْكَبِيرَ وَيَرْحَمُونَ فِيهِ الصَّغِيرَ وَيُؤْثِرُونَ ذَا الْحَاجَةِ وَيَحْفَظُونَ الْغَرِيبَ۔

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں سفیان بن وکیع نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے جمیع بن عمر بن عبدالرحمٰن عجلی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے بیان کیا، بنی تمیم کے ایک شخص نے جو ابو ہالہ زوج حضرت خدیجہؓ کی اولاد میں سے تھا اور جس کی کنیت ابو عبد اللہ تھی۔ انہوں نے یہ روایت ابو ہالہ سے اور انہوں نے حضرت حسن بن علیؓ سے نقل کی۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے پوچھا' وہ حضور اکرم ﷺ کے حالات اکثر بیان کرتے تھے اور مجھے ان کے سننے کا اشتیاق تھا تو انہوں نے میرے پوچھنے پر حضور اکرم ﷺ کے حلیہ شریف کا ذکر فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ بلند پایہ بلند مرتبہ تھے۔ آپ ﷺ کا چہرۂ انور بدر کی طرح چمکتا تھا اور پورا حلیہ شریف (جیسا کہ شروع کتاب میں پہلے باب کی ساتویں حدیث میں مفصل گزر چکا ہے) بیان فرمایا، امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے (بعض وجوہ سے) اس حدیث کا امام حسین رضی اللہ عنہ سے ایک عرصہ تک ذکر نہیں کیا۔ ایک عرصہ کے بعد ذکر کیا تو معلوم ہوا کہ وہ مجھ سے پہلے اس حدیث کو سن چکے تھے اور صرف یہی نہیں کہ ماموں جان سے یہ حدیث سن لی ہو، بلکہ والد صاحب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضور اکرم ﷺ کے مکان پر تشریف لے جانے اور باہر تشریف لانے اور حضور اکرم ﷺ کا طرز و طریقہ بھی معلوم کر چکے تھے۔ چنانچہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے اپنے والد حضرت

علی رضی اللہ عنہ سے حضور اکرم ﷺ کے مکان تشریف لے جانے کے حالات دریافت کئے تو آپ نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ مکان میں تشریف رکھنے کے وقت کو تین حصوں پر تقسیم فرماتے تھے۔ ایک حصہ حق تعالیٰ شانہٗ کی عبادت میں خرچ فرماتے تھے، یعنی نماز وغیرہ پڑھتے تھے۔ دوسرا حصہ گھر والوں کے ادائے حقوق میں خرچ فرماتے تھے۔ مثلاً ان سے ہنسنا بولنا بات کرنا، ان کے حالات کی تحقیق کرنا۔ تیسرا حصہ خاص اپنی ضروریات حاجت آرام کے لئے رکھتے تھے، پھر اپنے والے حصہ کو بھی دو حصوں پر اپنے اور لوگوں کے درمیان تقسیم فرما دیتے' اس طرح پر کہ خصوصی حضرات صحابہ کرامؓ اس وقت میں داخل ہوتے، اُن خواص کے ذریعے سے مضامین عوام تک پہنچتے۔ ان لوگوں سے کسی چیز کو اُٹھا کر نہ رکھتے تھے (یعنی دین کے اُمور میں نہ دنیوی منافع میں۔ غرض ہر قسم کا نفع بلا دریغ پہنچاتے تھے) اُمت کے اس حصہ میں آپ ﷺ کا یہ طرز تھا کہ ان آنے والوں میں اہل فضل یعنی اہل علم و عمل کو حاضری کی اجازت میں ترجیح دیتے تھے۔ اس وقت کو ان کے فضل دینی کے لحاظ سے ان پر تقسیم فرماتے تھے۔ بعض آنے والے ایک حاجت لے کر آتے اور بعض حضرات دو دو حاجتیں لے کر حاضر خدمت ہوتے اور بعض حضرات کئی کئی حاجتیں لے کر حاضر ہوتے۔ حضور اکرم ﷺ ان کی تمام حاجتیں پوری فرمایا کرتے تھے اور ان کو ایسے اُمور میں مشغول فرماتے، جو خود ان کی اور تمام اُمت کی اصلاح کے لئے مفید اور کارآمد ہوں۔ مثلاً ان کا دینی اُمور کے بارے میں حضور اکرم ﷺ سے سوالات کرنا اور ان علوم و معارف کے بعد حضور ﷺ یہ بھی فرما دیا کرتے تھے کہ جو لوگ یہاں موجود ہیں، وہ ان مفید اور ضروری اصلاحی اُمور کو غائبین تک بھی پہنچا دیں اور نیز ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ جو لوگ کسی عذر (پردہ یا دوری یا شرم یا رعب) کی وجہ سے مجھ سے اپنی ضرورتوں کا اظہار نہیں کر سکتے، تم لوگ اُن کی ضرورتیں مجھ تک پہنچایا کرو۔ اس لئے کہ جو شخص بادشاہ تک کسی ایسے شخص کی حاجت پہنچائے جو خود نہیں پہنچا سکتا تو حق تعالیٰ شانہٗ قیامت کے دن اُس شخص کو ثابت قدم رکھیں گے۔ تم لوگ اس میں ضرور کوشش کیا کرو۔ حضور اکرم ﷺ کی مجلس میں ضروری اور مفید باتوں کا تذکرہ ہوتا تھا اور ایسے ہی اُمور کو حضور اقدس ﷺ صحابہؓ سے

خوشی سے سنتے تھے، اس کے علاوہ لایعنی اور فضول باتیں حضور اکرم ﷺ کی مجلس میں نہ ہوتی تھیں۔ صحابہؓ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں دینی اُمور کے طالب بن کر حاضر ہوتے تھے اور بلا کچھ چکھے وہاں سے نہیں آتے تھے۔ صحابہ کرامؓ حضور اقدس ﷺ کی مجلس سے ہدایت اور خیر کے لئے مشعل اور راہنما بن کر نکلتے تھے کہ وہ ان علوم کو حسب ارشاد دوسروں تک پہنچاتے رہتے تھے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے باہر تشریف آوری کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا کہ حضور ﷺ ضروری اُمور کے علاوہ اپنی زبان کو محفوظ رکھتے تھے۔ فضول تذکروں میں وقت ضائع نہیں فرماتے تھے۔ آنے والوں کی تالیف قلوب فرماتے، ان کو مانوس فرماتے، متوحش نہیں فرماتے تھے۔ ہر قوم کے کریم اور معزز کا اکرام و اعزاز فرماتے اور اس کو خود اپنی طرف سے بھی اسی قوم پر متولی اور سردار مقرر فرما دیتے۔ لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈراتے اور خود اپنی بھی لوگوں کے تکلیف پہنچانے یا نقصان پہنچانے سے حفاظت فرماتے۔ لیکن باوجود احتیاط رکھنے اور احتیاط کی تاکید سے کسی سے اپنی خندہ پیشانی اور خوش خلقی کو نہیں ہٹاتے تھے۔ اپنے دوستوں کی خبر گیری فرماتے۔ لوگوں کے حالات، آپس کے معاملات تحقیق فرما کر ان کی اصلاح فرماتے۔ اچھی بات کی تحسین فرما کر اس کی تقویت فرماتے اور بُری بات کی برائی بتا کر اس کو زائل فرماتے اور روک دیتے۔ حضور اکرم ﷺ ہر امر میں اعتدال اور میانہ روی اختیار فرماتے تھے نہ کہ تلوّن اور گڑبڑ کہ کبھی کچھ فرما دیا، کبھی کچھ۔ لوگوں کی اصلاح سے غفلت نہ فرماتے تھے کہ مبادا وہ دین سے غافل ہو جائیں یا کسی امر میں حد سے بڑھ جانے کی وجہ سے دین سے اکتا جائیں۔ ہر کام کے لئے آپ ﷺ کے یہاں ایک خاص انتظام تھا۔ امر حق میں نہ کبھی کوتاہی فرماتے تھے، نہ حد سے تجاوز فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے والے خلقت کے بہترین افراد ہوتے تھے۔ آپ ﷺ کے نزدیک افضل وہی ہوتا تھا، جس کی خیر خواہی عام ہو یعنی ہر شخص کی بھلائی چاہتا ہو۔ آپ ﷺ کے نزدیک بڑے مرتبہ والا وہی ہوتا تھا، جو مخلوق کی غم گساری اور مدد میں زیادہ حصہ لے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کی مجلس کے حالات دریافت کئے تو انہوں

نے فرمایا کہ آپ ﷺ کی نشست و برخاست سب اللہ کے ذکر کے ساتھ ہوتی تھی اور جب کسی جگہ آپ ﷺ تشریف لے جاتے تو جہاں جگہ ملتی وہیں تشریف رکھتے اور اسی کا لوگوں کو حکم فرماتے کہ جہاں جگہ خالی مل جائے بیٹھ جایا کریں، لوگوں کے سروں کو پھلانگ کر نہ جایا کریں۔ یہ ارجہ اکانہ ہے کہ جس جگہ حضور ﷺ تشریف رکھتے وہی جگہ پھر صدر مجلس بن جاتی۔ آپ ﷺ حاضرین مجلس میں سے ہر ایک کا حق ادا فرماتے یعنی بشاشت اور بات چیت میں جتنا استحقاق ہوتا، اس کو پورا فرماتے کہ آپ ﷺ کے پاس ہر بیٹھنے والا یہ سمجھتا تھا کہ حضور اکرم ﷺ میرا سب سے زیادہ اکرام فرما رہے ہیں، جو آپ ﷺ کے پاس بیٹھتا یا کسی امر میں آپ ﷺ کی طرف مراجعت کرتا تو حضور اکرم ﷺ اس کے پاس بیٹھے رہتے، یہاں تک کہ وہی خود اٹھنے کی ابتدا کرے، جو آپ ﷺ سے کوئی چیز مانگتا، آپ ﷺ اس کو مرحمت فرماتے یا (اگر نہ ہوتی) تو نرمی سے جواب فرماتے، آپ ﷺ کی خندہ پیشانی اور خوش خلقی تمام لوگوں کے لئے عام تھی۔

آپ ﷺ تمام خلقت کے شفقت میں باپ تھے اور تمام خلقت حقوق میں آپ ﷺ کے نزدیک برابر تھی۔ آپ ﷺ کی مجلس مجلسِ علم و حیا اور صبر و امانت تھی نہ اس میں شور و شغب ہوتا تھا نہ کسی کی عزت و آبرو اُتاری جاتی تھی۔ اس مجلس میں اگر کسی سے کوئی لغزش ہو جاتی تھی تو اس کو شہرت نہیں دی جاتی تھی۔ آپس میں سب برابر شمار کیے جاتے تھے (حسب نسب کی بڑائی نہ سمجھتے تھے البتہ) ایک دوسرے پر فضیلت تقویٰ سے ہوتی تھی، ہر شخص دوسرے کے ساتھ تواضع سے پیش آتا تھا، بڑوں کی تعظیم کرتے تھے، چھوٹوں پر شفقت کرتے تھے، اہل حاجت کو ترجیح دیتے تھے، اجنبی مسافر آدمی کی خبر گیری کرتے تھے۔

حدیث باب اور محدثین کا وتیرہ :

قال الحسن ...... یہ وہی طویل حدیث ہے، جس امام ترمذیؒ نے بھی عام محدثین کی طرح ٹکڑے ٹکڑے کر کے ترجمۃ الباب کی مناسبت سے مختلف ابواب میں نقل کیا ہے۔ شمائل کے آغاز میں باب اوّل کی ساتویں حدیث میں اس کا ابتدائی حصہ نقل ہوا ہے

اور وہاں تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ اس باب میں بھی امام ترمذی نے وہی حصہ نقل کیا ہے جو وضع سے متعلق ہے۔ مضمون حدیث تو ترجمۃ الباب میں واضح کر دیا ہے۔

تحصیل علم میں فضل وتفوق کی مساعی محمود ہیں :

اب سوال یہ ہے کہ حضرت حسنؓ نے اپنے چھوٹے بھائی حضرت حسینؓ سے طویل عرصہ تک اس حدیث کو کیوں چھپائے رکھا۔ شارحین حدیث کہتے ہیں کہ یہ زمانہ طالب علمی کا تھا۔ غرض علمی تفوق اور علمی برتری تھی۔ و ذلک محمود (اور یہ سراہا جاتا ہے) اور یہ ایک مسلّم قاعدہ ہے کہ من حفظ فهو حجة على من لم يحفظ (کہ جس نے یاد کیا وہ غالب ہو جاتا اس پر جس نے یاد نہیں کیا) وما الا انه احتمال ان هذا الكتمان كان قصداً كما يحتمل ان يكون اتفاقاً. (اتحافات ص۳۶۳) (میں نے اس سے ایک زمانہ تک چھپائے رکھا اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ امام حسنؓ کا چھپانا قصداً اور ارادہ سے ہوا اور یہ بھی محتمل ہے کہ اس سے یہ اتفاقیہ طور پر ہو گیا ہو) مگر یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور تھا کہ حضرت حسینؓ پہلے سے سب کچھ یاد کر چکے تھے۔ شیخ ابراہیم الباجوری فرماتے ہیں، ليختبر اجتهاده في تحصيل العلم بحلية جده او ليعظم سؤاله عنها لان التعليم بعد الطلب اثبت و ارسخ في الذهن (مواہب ص۳۳) (امام حسنؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اس لئے چھپایا کہ مجھے اس سے یا تو اپنے نانا جان کے شکل وصورت کے معلوم کرنے کے متعلق اس کی کوشش کا امتحان اور جانچنا مقصود تھا اور یا اس لئے کہ (امام حسینؓ) کا آپ ﷺ کے حلیہ کے متعلق خود پوچھ لینے کا انتظار تھا اس لئے کہ کسی دوسرے کو طلب کے بعد بتلانا اور تعلیم دینا اس کے ذہن میں زیادہ راسخ ہو جانے میں کارگر ثابت ہوتی ہے)

ظاہری جمال کے ساتھ عظمت وجلال :

فخما مفخما اي عظيماً في نفسه و معظماً عند الخلق او كونه عظيماً عند الله معظماً عند الناس۔ (مواہب ص۳۳) یعنی حضور اقدس ﷺ خود بھی شان و عظمت والے اور دوسروں کی نظر میں بھی صاحب قدر تھے، بڑے مرتبہ والے، وجاہت

والے اور بڑے وقار تھے۔ اسی طرح لوگوں کی نگاہ میں بھی عظمت وشان اور ہیبت و رعب والے معلوم ہوتے تھے۔ آپ ﷺ کی عظمت، رعب و دبدبہ دلوں میں گھر کرتا تھا، گو کہ بظاہر جسامت وقدامت معتدل تھی، مگر اللہ کی طرف سے دی ہوئی ایک ہیبت وعظمت تھی، جو آپ ﷺ کے چہرۂ انور پر ظاہری حسن وجمال کے ساتھ ساتھ بدرجہ کمال جلوہ گر تھی۔

شكله: والمراد بالشكل هنا اى طريقته فى اصحابه جده فى كتب اللغة ان الشاكلة والشكل الطريقة والمذهب وليس المراد الصفة والصورة۔ (اتحافات ص۳۶۳) اى هيئة و طريقة الشغل لمجلسه فدخل فى السوال عن الشكل السوال عن مجلسه الاتى۔ (مواہب ص۳۳) (اور یہاں شکل سے مراد آپ ﷺ کا طور طریقہ اپنے صحابہؓ کے بارے میں)

کتب لغت میں ذکر ہے کہ لفظ شاکلۃ اور شکل سے مراد طریقہ اور مذہب ہے اور یہاں ان سے صفت اور صورت مراد نہیں ہے۔ یعنی آپ ﷺ کا طور طریقہ (برتاؤ) جو آپ ﷺ کی محفل ومجلس کو بھی شامل ہے اس لئے کہ شکل سے سوال کرنے میں تو اس کی آئندہ مجلس سے سوال واستفسار بھی داخل ہوا)

تقسیم اوقات کا اہتمام :

جزأ دخوله لله اجزاء ...... یعنی اپنے دخول دار کے زمانہ کو تین حصوں میں تقسیم فرما دیتے جزء لله اى للعبادة و التهجد (اتحافات ص۳۶۳) او الفكر فى مصنوعاته (مواہب ص۳۳) یعنی ایک حصہ نماز، ذکر الٰہی، تسبیح وتہلیل، عبادت وتہجد کے لئے مقرر فرماتے اور اس حصہ میں اپنے اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے۔ و جزء لاهله یعنی ضروریات اہل خانہ، حسن معاشرت اور ان کے ساتھ اختلاط کے لئے مخصوص فرماتے ...... اى لمؤانستهن و عشرتهن و مراعاة حقوقهن فقد كان خير الناس لاهله۔ (اتحافات ص۳۶۳) (اس لئے کہ آپ ﷺ سب لوگوں میں سے اپنے اہل خانہ کے ساتھ حسن معاشرت میں بے نظیر تھے)

اُمت کے لئے ایثارِ وقت کی ایک نادر مثال :

و جزءٌ لنفسه : یعنی ایک حصہ اپنے ذاتی حوائج کے لئے یعنی وضو و غسل و دیگر حوائج ضروریہ بشری و فطری تقاضوں اور آرام وغیرہ کے لئے مختص فرماتے ، پھر وقت کا یہ حصہ جو اپنے لئے مختص فرمایا ہوتا ، اسے بھی دو حصوں میں بانٹ دیا کرتے ۔ ایک حصہ اپنے لئے اور ایک حصہ اُمت کی فلاح و اصلاح کے لئے ۔ صرف موجود و حاضرین ہی کی فکر نہ فرماتے ، بلکہ قیامت تک آنے والے اپنے امتیوں کے لئے بھی حصہ وافر نکالتے ۔ شیخ ابراہیم الباجوریؒ نے بھی یہی لکھا ہے کہ ثم قسم جزءه الذی جعله لنفسه بینه و بین جمیع الناس سواء من کان موجوداً و من سوجد بعدهم الی یوم القیامة بواسطة المبلغ عنه (مواہب ص ۲۳۲) (پھر وہ حصہ جو اپنی ذات کے لئے مختص ہوتا اس کو اپنے اور سب لوگوں کے درمیان تقسیم فرما دیتے چاہے وہ لوگ جو اس وقت موجود تھے یا جو قیامت کے دن تک موجود ہونے والے تھے بصورت آپ ﷺ کی طرف سے ان تک پہنچانے کے) یہ اُمت کے لئے قربانی اور ایثار وقت کی ایک نادر مثال ہے ۔

خاص وقت بھی خواص کے لئے وقف کر دیا تھا :

فیرد ذالک بالخاصة علی العامة ' پھر جو وقت لوگوں کے لئے مخصوص ہوتا اس دوران میں آپ ﷺ خاص لوگوں کے ذریعہ عوام کو فائدہ پہنچاتے تھے ۔ خواص سے مراد اکابر صحابہ اور خلفائے راشدینؓ ہیں ۔

جیسے صاحب اتحافات لکھتے ہیں کہ و المراد بالخصوص ' الخلفاء الاربعة و کبار الصحابةؓ (اتحافات ص ۳۱۳) یعنی خصوصی صحابہ کرامؓ اس وقتِ خاص میں داخل ہوتے پھر ان خواص کے ذریعہ سے دینی مضامین ' علوم و معارف اور مسائل و احکام عوام تک پہنچتے ۔ ای ان هولاء الخواص یبلغون عنه ما یسمعون منه (اتحافات ص ۳۱۳) (کہ یہ خواص حضرات جو کچھ بھی حضور ﷺ سے سن لیتے تو عوام تک اس کو پہنچا دیتے) یہ آپ ﷺ کی عظیم قربانی ہے کہ اپنے آرام کا حصہ بھی علمی افادوں کے لئے وقف فرما دیا تھا ۔

نبوی تربیت کے اہداف :

اس وقتِ خاص میں صحابہ کرامؓ علم و حکمت ' اسرار و معارف ' اصلاحِ احوال اور تزکیۂ نفس حاصل کرنے کے لئے حاضر خدمت ہوتے ۔ یا تبلیغ کے امور سیکھنے کے لئے آتے ان کے لئے خاص وقت مقرر فرما کر انہیں علم و حکمت سے بہرہ ور فرماتے ، اسرار و معارف سے ان کے سینوں کو منور فرماتے ، تزکیۂ باطن سے ان کے قلوب کو تجلیات الٰہی کا مرکز بنا دیتے ۔ اصلاحِ احوال فرما کر اخلاق حسنہ سے آراستہ فرماتے ۔ امور تبلیغ سکھا کر ان کو توحید و رسالت کا داعی اور مبلغ بناتے ۔

نصیحت و ہدایت میں سخاوت :

ولا یدخر ...... تعلیم علوم و معارف میں بخل نہ فرماتے اور عوام و خواص سے علوم و معارف نہ چھپاتے ' عنهم : ای عن العامة و عن الخاصة لم تصل الی العامة او عنهما و عن الناس ' شیئاً : ای مما یتعلق بهم و فیه نفع لخصوصهم او عمومهم ۔ (جمع ج ۲ ص ۱۷۱) (حدیث کے جملہ ولا یدخر عنهم من هم ضمیر کے مراجع کے متعلق ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ یا تو اس کا مرجع صرف العامة ہے یا پھر صرف الخاصة یا پھر دونوں ہیں اور یا پھر لفظ الناس ہے یعنی آپ ﷺ چھپاتے نہ تھے عام لوگوں سے یا خاص سے پھر ان کے ذریعے عام لوگوں تک پہنچ جاتی یا پھر دونوں (عامہ و خاصہ) انہیں چھپاتے تھے یا یہ کہ آپ ﷺ لوگوں سے نہیں چھپاتے کوئی ایسی چیز جو ان سے متعلق ہوتی تھی اور ان میں یا تو خاص لوگوں یا پھر عام لوگوں کا نفع اور فائدہ ہوتا تھا) یعنی اُمت کی نصح و خیر خواہی کی ہر بات ان پر واضح فرماتے ۔ ای لا یخفی عنهم شیئاً من معلقات النصح والهدایة (مواہب ص ۲۳۲)

خواص کے خدام اور ہمراز کا مقام :

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اساتذہ و مشائخ اپنے خواص ' خدام اور ہمراز تلامذہ و مستفیدین سے علوم و معارف ' حکم و مصالح اور اسرار نہ چھپائیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مرشدین و اساتذہ اپنے بعض متوسلین اور تلامذہ میں سے حسب لیاقت و حسب طبعی مناسبت

ان کو خصوصیت و امتیاز کا حق دے سکتے ہیں اور اُن کو اپنی خصوصی توجہ و عنایت اور تربیت کے لئے منتخب کر سکتے ہیں۔ اس میں مساوات ضروری نہیں ہے، وجہ ظاہر ہے کہ طبیعت کا میلان اور رجحان بعض کی طرف ہوتا ہے اور بعض کی طرف نہیں ہوتا۔ دینی مصالح کے پیش نظر لا محالہ ان فطری اُمور کو بھی ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے۔

اس میں اپنا اپنا طبعی ذوق اور فطری مناسبت ہوتی ہے تو حضور اقدس ﷺ بھی ان حضرات کو ترجیح دیتے، جو صاحب علم و فضل اور مشرف بتقویٰ ہوتے ما بشار اهل الفضل باذنه کی مراد بھی یہی ہے، باذنه کا تعلق ایثار سے ہے کہ اجازت دینے میں اہل فضل کو ترجیح دیتے تھے' جبکہ بعض روایات اُذنه (بضم الاوّل) آیا ہے، بمعنیٰ سننے میں ارباب فضل و کمال کو ترجیح دیتے تھے۔

فرق مراتب :

حقوق عامہ کی ادائیگی میں تو مساوات ہوتی تھی۔ اس میں کسی کو ترجیح نہیں دی جاتی تھی۔ ارشاد ہے، المنی مناخ من سبق' (جس نے سبقت کی یعنی (پہلے گیا) منیٰ اس کا مناخ ہے (یعنی اونٹوں کی بٹھلانے اور خیمے لگانے کی جگہ ہے) اس نوعیت کے حقوق مشترکہ اور حدود مشترکہ میں عوام و خواص' حکمران و محکوم اور آقا و غلام سب برابر ہوتے تھے۔

البتہ ان کے فضل و علم' صلاح و تقویٰ اور رتبہ و درجہ میں مساوات قرین قیاس نہیں، بلکہ حماقت ہے۔ گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی معیار ترجیح میں تین اُمور کی تعیین فرمائی تھی۔ (۱) فضل و تقدیم (۲) احتیاج و حاجتمندی (۳) کارکردگی جیسا کہ ابوداؤد کی کتاب المغازی میں منقول ہے۔ اس لئے ارشاد فرمایا،

وقسمه على قدر فضلهم في الدين : يعني على قدر مراتبهم في الدين من جهة الصلاح والتقوى لامن جهة الاحساب والانساب او المراد على قدر حاجاتهم في الدين ويلائمه قوله فمنهم ذو الحاجة ...... (مواہب ص ۳۴۲) (پھر اصحاب علم و فضل میں بھی ان کے صرف دینی مراتب (صلاح و تقویٰ) کو ملحوظ رکھتے ہوئے حسب درجات ان کی ترجیح

وتقدیم فرمایا کرتے نہ کہ بلحاظ حسب و نسب کے یا پھر یہ تقسیم و ترجیح اُن کی حاجات و ضروریات دینیہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے فرماتے اور اسی کے ساتھ ملائم و مناسب ہے اس کا یہ قول کہ فمنهم ذو الحاجة الخ (کہ بعض ان میں ایک حاجت والا ہوتا اور بعض کی دو حاجتیں اور بعض کی کئی حاجتیں ہوتی تھیں)

یہ ترجیح و تفضیل کا معاملہ حسب و نسب کی وجہ سے نہیں صلاح و تقویٰ کی بنیاد پر تھا اور قرآن نے بھی یہی اُصول مقرر فرمایا ہے۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ۔ (الحجرات:۱۳) (اللہ کے نزدیک تم سب میں سے باعزت وہ ہے' جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے)

جماعت صحابہؓ کی تربیت کا خاص اہتمام :

بہر حال حضور اقدس ﷺ اس خاص وقت میں اپنے گھر میں استفادہ کرنے کے لئے مذکورہ صفات کے حامل خواص کو عوام پر ترجیح دیتے، جو آپ ﷺ کی صحبت بابرکت اور استفادہ سے زیادہ سے زیادہ فیوض و برکات حاصل کرتے۔ علوم و معارف سے خوب حصہ وافر پاتے اور صاحب صلاح و تقویٰ کے مقام پر فائز ہو جاتے۔ اُن کی اس محنت' طلب' ذوق علم اور شوق تبلیغ کو دیکھ کر آپ ﷺ ان سے کچھ بھی پوشیدہ نہ فرماتے اور تمام اسرار و رموز سے آگاہ فرماتے، جو کچھ بھی دریافت فرماتے، آپ ﷺ ان کو جوابات مرحمت فرما کر مطمئن کر دیتے۔ یہ حضرات جب مکمل طور پر اسوۂ حسنہ کا پیکر بن جاتے' تو ان کو تدریس و تعلیم اور دعوت و تبلیغ پر مامور فرما دیتے تا کہ وہ عام لوگ جو آپ ﷺ کی صحبت میں نہیں پہنچ سکے، انہیں وہ علوم و معارف اور پیغام و احکام پہنچا دیں اور جس احسن و مناسب اور اکمل طریقہ سے ان خواص کی تربیت کی گئی ہے، یہ بھی اسی طریقہ و منہج پر دوسروں کی اصلاح و تربیت کریں۔

مراتب استحقاق میں تفاوت :

فيتشاغل بهم ...... کلمہ "لا" تفصیل کے لئے ہے اور یہ مراتب استحقاق میں تفاوت کا بیان ہے۔ حوائج سے مراد وہ مسائل ہیں جو دین سے متعلق ہوں، یعنی بعض

اہل علم وفضل کو ایک حاجت درپیش ہوتی' بعض کو دو' بعض کو زیادہ۔ ملا علی قاری مسائل کے عموم کے قائل ہیں، فرماتے ہیں، والحاجات اعم من الدنیویة والاخرویة (جمع ج۲ ص ۱۷۲) اور عام حاجتیں عام ہیں چاہے دنیاوی ہو یا اخروی)

پس حضور اقدس ﷺ ان کے ساتھ حسب حاجت وضرورت اور حسب مراتب مشغول رہتے ان کی بات سنتے اور پھر سمجھاتے۔ شیخ عبدالرؤف لکھتے ہیں ...... ای بعلی الحاجة و من بعلعم فیشتغل بھم و یشغلون به علی قدر حاجتھم۔ (مناوی ج۲ ص ۱۷۲)

علمی بحث و مذاکرہ کی ترغیب :

ویشغلھم ...... یعنی آپ ﷺ حاضرین ومستفیدین کو بھی ایسے معاملات' علمی تحقیق' بحث و مذاکرہ میں مشغول رکھتے، جو خود ان کے لئے پوری اُمت کے لئے اصلاح وفلاح دینی، دنیوی، اخروی اور ترقی وکمال کا باعث ہوتے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں ای یشغلھم بالامر الذی یصلحھم فی دینھم و دنیاھم و اخراھم۔ (جمع ج۲ ص ۱۷۲) والامة : یہ عطف العام علی الخاص کے قبیل سے ہے، سواء کانت الامة امة الدعوة والاجابة او الاعم منھما (جمع ج۲ ص ۱۷۲) (چاہے امت اجابت ہو یا امت دعوت اور چاہے ان دونوں سے بھی عام ہو) ای یصلح الامة فلا یدعھم یشتغلون بما لا یعنیھم (مواہب ص ۳۳۲) بل یشغلھم بما یصلحھم والامة (مناوی ج۲ ص ۱۷۲) (امت کی اصلاح فرمایا کرتے یعنی ان کو لایعنی اور فضول باتوں میں مشغول رہنے کے لئے انہیں چھوڑتے بلکہ ان کو ایسے امور میں مشغول رکھتے جن سے ان کی اور ساری امت کی اصلاح ہو جائے)

من مسئلھم عنه ' یعنی وہ لوگ آپ ﷺ سے مسائل دریافت کرتے اور آپ ﷺ ان کو ان کے مناسب حال جواب مرحمت فرماتے، یعنی آپ ﷺ ان کو وہ احکام تلقین فرماتے' جن کی ان کو اس وقت ضرورت ہوتی تھی اور جو ان کے احوال' زمان' مکان ومقام کے مناسب ہوتے تھے اور ان کو ایسے معارف سے بہرہ ور فرماتے جو ان کی سمجھ کے مطابق ہوتے۔ سائلین کے اختلاف احوال کی وجہ سے آپ ﷺ کی دعا او

ہدایات اور تعلیمات بھی مختلف نقل ہوئی ہیں۔ ایک شخص نے عرض کیا حضرت! مجھے وصیت فرمادیں۔ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا استحی من الله کما تستحی من رجل صالح من قومک' جس طرح اپنی قوم کے ایک صالح مرد سے حیا کرتے ہو، اللہ سے بھی اسی طرح حیا کرو۔ دوسرے نے یہی سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا "لا تغضب" یعنی غصہ نہ کیا کرو اس طرح کے متعدد نظائر کتب حدیث میں منقول ہیں۔

(ملخصا از مواہب ص ۳۳۲)

غائبین کی فکر :

ویقول لیبلغ الشاھد ...... ارشاد فرمایا، جو لوگ یہاں تحصیل علم کے لئے اور حاجات بیان کرنے کے لئے حاضر نہیں ہو سکے، حاضرین یہ علوم ومعارف دوسروں تک پہنچادیں تا کہ وہ بھی محروم نہ رہیں۔ فالشاھد الصحابی الاکبر و الغائب الاصغر او الشاھد الصحابی والغائب التابعی او الشاھد العالم والغائب الجاھل او الشاھد الحضری والغائب البدوی او الشاھد السامع والغائب من لم یسمع وھذا اولی و انفع ثم ھذا بیان لجعلھم مشغولین بما یصلح الامة اذ لما اجابھم بما ینبغی لھم شغلھم بما یصلحھم ولما وصی بالتبلیغ شغلھم بما یصلح الامة (مناوی ج۲ ص ۱۷۵) (علامہ مناویؒ حدیث میں مذکور جملہ ویقول لیبلغ الشاھد منکم الغائب (کہ تم میں سے شاہد غائب کو پہنچادے) میں لفظ شاہد اور غائب کی ممکنہ توجیہات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ شاہد سے مراد بڑا صحابی اور غائب سے مراد چھوٹا صحابی یا شاہد سے مراد صحابی اور غائب سے مراد تابعی۔ یا پھر شاہد سے مراد عالم اور غائب سے مراد جاہل۔ یا شاہد سے مراد شہری اور غائب سے مراد دیہاتی اور جنگلی۔ یا شاہد سے مراد سننے والا اور غائب سے مراد جس نے نہیں سنا اور یہ تعمیم زیادہ نافع اور مفید ہے۔ پھر یہ سب کچھ بیان ہے ان کو ایسے کاموں میں مشغول رکھنے کا جس سے پوری امت کی اصلاح ہو۔ کیونکہ جب آپ ﷺ نے ان کو ایسے امور بتلائے جو ان کے لئے مناسب اور ضروری ہیں تو ان کو ایسے کاموں میں مشغول کر دیا جن سے ان کی اصلاح ہو جائے گی اور جب ان کو دوسروں تک پہنچانے کی وصیت اور تاکید بھی کر دی تو ان کو گویا ایسے کاموں میں مشغول فرما دیا جس سے پوری امت کی

اصلاح ہو جائے گی)

خدمت علم و خلق کا اجر و ثواب :

و ابلغونی ...... یعنی بیماری یا بسبب دوری مسافت یا کسی اور عذر یا کی وجہ سے جو مستحقین، کمزور، غرباء، بیوائیں، ضعفاء، خواتین، یتامٰی اور حاجتمند مجھ تک نہیں پہنچ سکتے اور جائز ضروریات پیش کرنے کے لئے حکام وقت تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے تو مجھ سے قریب اور خاص تربیت حاصل کرنے والوں کا فرض ہے کہ وہ ان کے دینی اور دنیوی حاجات مجھ تک پہنچائیں۔ مجھے ان کی تکالیف سے خبردار کریں تاکہ میں انہیں حل کروں اور ان کی تکالیف دور کر سکوں اور تمہیں اس پر اللہ پاک اجر دے گا کہ قیامت کے روز تم ثابت قدم رہو گے۔ ثبت اللہ قدمیہ علی الصراط یوم القیامۃ یوم تزل الاقدام دینیۃ کانت الحاجۃ او دنیویۃ ۔(مواہب ص ۳۳۲) (اللہ تعالیٰ تمہارے قدموں کو قیامت کے دن پل صراط پر ثابت قدمی عنایت فرما دیں گے جس دن قدم پھسلیں اور ڈگمگائیں گے۔ وہ حاجت اور ضرورت چاہے دینی ہو یا دنیوی)

دربار نبوت، علم و خدمت کا مرکز :

ولا یذکر عندہ الا ذلک ۔ یعنی بارگاہ نبوت میں دینی اور اسی ہی باتوں کا ذکر ہوتا تھا۔ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے خدام علوم و معارف اور خدمت خلق میں مصروف رہتے تھے ۔ ولا یقبل من احد غیرہ تہذیب اخلاق، تزکیہ نفس، علم و معرفت الٰہی کی گفتگو کے سوا اور کوئی فضول اور بے فائدہ باتیں قطعاً نہیں ہوتی تھیں یا تو صاحبان حوائج اپنی یا دوسروں کی ضروریات عرض کرتے ' ای ولا یقبل من احد غیر المحتاج الیہ فہو توکید للکلام الذی قبلہ ۔ (مواہب ص ۳۳۲)

یدخلون رواداً بتشدید الواو: جمع رائد، وھو فی الاصل من یتقدم القوم ، والمراد ھنا اکابر الصحابۃ " (تعلیقات ص ۳۶۲) (رواد کا لفظ واؤ کی تشدید کے ساتھ رائد کی جمع ہے اور رائد کا اصلی اور لغوی معنی قوم کا بڑا ، سردار اور آگے۔ یہاں رواد سے مراد

اکابر صحابہ ہیں ۔ یہاں رواد سے مراد اکابر صحابہ ہیں) رائد اس رہنما کو کہتے ہیں جو قوم سے آگے آگے جائے ' لینظر لھم الکلاء و مساقط الغیث (مجمع ج ۲ ص ۱۷۵) (تاکہ ان کے لئے گھاس چارہ اور پانی وغیرہ کی دیکھ بھال کا اہتمام کرے) یہاں خواص صحابہ کرام کے لئے مستعار لیا گیا جو جمیع امت کے لئے بمنزلہ رواد کے تھے۔

اکرام ضیف کا اہتمام :

ولا یفترقون ...... یعنی وہ اس وقت تک آپ ﷺ کی بارگاہ علم و دعا سے جدا نہیں ہوتے تھے، جب تک تحصیل علم و حاجت کی تکمیل نہ ہو جاتی ، ذواق میں چکھنا ہے، جو علمی و دینی بھی ہو سکتا ہے اور دنیوی و حسی بھی ہو سکتا ہے، یعنی افادہ علمی بھی اور دعوت حسی بھی جو بھی ماحضر کر سکا اس کا مظہر اتم ہے۔

ذواق : ای فعال بمعنی مفعول ای ذوق طعام حسی غالباً و روحانی من العلوم والمعارف فانما ھو لارواحھم بمنزلۃ الادام لاجسادھم فعلی الاول التنکیر للتقلیل لما عرف مما کانوا علیہ من قلۃ العیش و علی الثانی للتعظیم و من بمعنی بعد نظیرہ لترکبن طبقاً عن طبق (مجمع ج ۲ ص ۱۷۵) (علامہ مناوی ذواق کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ذواق بروزن فعال کے بمعنی مفعول کے ہے یعنی ظاہری اور حسی کھانے کا چکھنا پایا پھر روحانی غذا یعنی علوم و معارف وائی کی تقسیم کرنا۔ پس یہ علوم وغیرہ ان کے ارواح کے لئے ایسے ہوئے جیسے کہ ان کے اجساد کے لئے سالن ۔ پس پہلی صورت (طعام حسی) پر ذواق کی تنکیر تقلیل کے لئے ہوئی جیسے کہ صحابہؓ کی تنگی معیشت مشہور و معروف ہے اور دوسری صورت (روحانی طعام) تو پھر ذواق کی تنکیر تعظیم کے لئے ہوگی ۔ اور لفظ من بمعنی بعد کے ہوگا جیسے کہ (قرآن مجید کی آیت) لترکبن طبقاً عن طبق میں بھی عن بمعنی بعد کے ہے)

درسگاہ نبوی کے فضلاء :

ویخرجون من عندہ ادلۃ : جمع دلیل ای علماء یدلون الناس علی ما

علموا من الخیر (لفظ ادلۃ دلیل کی جمع ہے یعنی وہ حضور ﷺ کے پاس سے ایسے علماء بن کر نکلتے ہیں کہ جو کچھ انہوں نے علم سیکھا ہے لوگوں کو اس کی رہنمائی کرتے ہیں) الخیر سے مراد علم، عمل، ارادۂ خیر اور زہد و تقویٰ ہے۔ یعنی حضرات صحابہ کرامؓ جب آپ ﷺ کی توجہات عالیہ کی برکات سے بہرہ ور ہو کر باہر آتے تو لوگوں کے لئے شمع ہدایت ہوتے ۔علم و عمل سے آراستہ ہوتے ۔سنت نبویہ کا نمونہ ہوتے ۔لوگ ان بابرکت ہستیوں سے تہذیب نفس، تزکیۂ باطن، اخلاقِ حسنہ اور علم و معرفت الٰہی حاصل کرتے ۔حضور اقدس ﷺ کو بھی ان کی سچی طلب اور اپنی تربیت پر اعتماد تھا۔ اس لئے ارشاد فرمایا اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم (جمع ج ۲ ص ۱۷۶) (میرے صحابہؓ ستاروں کے مانند ہیں ان میں سے جس کی بھی تم اقتداء و تابعداری کرو گے ہدایت پر ہو جاؤ گے۔

بعض روایات میں اذلۃً نقل ہوا ہے.....والمعنی علیہ یخرجون من عندہ حال کونھم متذللین متواضعین (مواہب ص ۲۳۲) (اور اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ وہ حضور ﷺ کے پاس سے متواضع اور عاجز ہو کر نکلتے ہیں (ان میں غرور و تکبر بالکل نہیں ہوتا))

زبان مبارک کی حفاظت کا اہتمام :

قال فسالتہ عن مخرجہ...... حضرت حسینؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد گرامی حضرت علیؓ سے دریافت کیا کہ حضور اقدس ﷺ کے بیرونِ گھر کے مشاغل کیا ہوتے تھے، کیف کان یصنع فیہ یعنی بیرون دار آپ ﷺ کی سیرت، طرز زندگی اور اعمال رویہ کیسے ہوا کرتا تھا۔

یخزن لسانہ الا فیما یعنیہ : یخزن ، نصر کے باب سے ہے، بمعنی جمع کرنے کے، محفوظ کرنے کے ای یحبسہ و یحفظہ (مواہب ص ۲۳۳) فیما یعنیہ یعنی اہم، مقصد کی بات اور ضروری بات کرتے تھے۔خاموش رہتے لایعنی اور فضول باتوں سے اپنی زبان کو محفوظ رکھتے تھے، بغیر نفع مخلوق اور انسانیت کے فائدے کی بات کے دوسری گفتگو نہ فرماتے، جیسا کہ آپ ﷺ کی تعلیم بھی یہی ہے من کان یومن باللّٰہ والیوم

الآخر فلیقل خیرا او لیصمت (مواہب ص ۲۳۲) (جو شخص اللہ اور یوم آخرت کا یقین رکھتا ہو تو چاہیے کہ بھلائی اور خیر کی بات کہے یا پھر خاموش رہے)

دعوتِ محبت و تالیف قلوب :

ویولفھم ولا ینفرھم یعنی حضور اقدس ﷺ ان کی تالیف قلوب فرماتے اور انہیں اپنے سے مانوس فرماتے ۔ایسی روش، ایسے اخلاق، ایسے شفقت اور اس طرح کمال محبت اختیار فرماتے کہ لوگوں میں آپ ﷺ سے نفرت کے جذبات پیدا ہی نہ ہو سکیں اور ایسا طریقہ اختیار نہ کرتے کہ لوگ آپ ﷺ سے متوحش اور متنفر ہو جاتے۔

یہ آپ ﷺ کا کمال علم اور کمال تواضع تھا اور قرآن کی اسی آیت کا مصداق اتم تھے وَلَوْ کُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِکَ.(آل عمران:۱۵۹) (اور اگر آپ بد زبان اور سخت دل ہوتے تو سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے) اور حدیث میں آیا ہے بشّروا ولا تنفروا یسروا ولا تعسروا (جمع ج ۲ ص ۱۷۶) ((امراء کو حکم ہے) کہ لوگوں کو خوشخبری سناؤ اور ان کو نفرت نہ دلاؤ ان پر آسانی اور نرمی کیا کرو اور ان کے لئے امور و احکام کو مشکل نہ بناؤ)

شرفاءِ قوم کا اکرام :

ویکرم کریم کل قوم ویولیہ علیھم ہر قوم کے شرفاء اور رؤساء کی تکریم و تعظیم فرماتے جو اس کے شایانِ شان جو اکرام مناسب ہوتا کر گذرتے، پھر اُمت کو بھی یہی تعلیم اور یہی ہدایات فرمائیں کہ اذا اتاکم کریم قوم فاکرموہ و ھو افضلھم دینا و نسباً وحسباً (لہ طرق کثیرۃ کاد ان یکون متواترا) (جمع ج ۲ ص ۱۷۶) (جب تمہارے پاس کسی قوم کا معزز اور شریف شخص تشریف لائے تو تم ان کی عزت و تکریم کیا کرو ۔کیونکہ وہ ان میں سے دین اور حسب و نسب کے لحاظ سے افضل ہوتا ہے (اس حدیث کے مختلف اسناد ہے جو تواتر کے قریب ہے))

و یولیہ علیھم ای یجعلہ ولیاً ای حاکماً علیھم وھذا من تمام حسن نظرہ

وعظم تدبیرہ اذا لقوم اطوع لکبیرھم واخوف منہ مع ما لہ من الکرم الموجب للرفق بھم ولاحتمال امرہ معھم ۔ (مناوی ج۲ ص۱۷۷) (اور آپ ﷺ اس معزز شخص کو اپنی طرف سے ان پر حاکم اور متولی بنا دیتے تھے ۔ اور یہ بات آپ ﷺ کے حسن تدبیر اور گہری نظر اور سوچ کا نتیجہ ہی ہوتا تھا اس لئے کہ قوم اپنے بڑے اور سردار کی اطاعت کے ساتھ ساتھ اس سے خوف میں بھی رہتی ہے باوجودیکہ اس میں بخشش وفیاضی کی صفت بھی ہے جو کہ نرم دلی اور احتمال فی الاموں کا سبب ہوگا)

یحذر الناس کا معنیٰ :

ویحذر الناس علامہ مناوی نے اس کے متعدد معانی کئے ہیں ، (۱) لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈراتے ' اور اس کی اطاعت پر ابھارتے ای یخوفھم من عذاب اللّٰہ الیم عقابہ و یحثھم علی طاعتہ (مناوی ج۲ ص۱۷۷) (۲) ویحذر الناس الفتن (جمع ج۲ ص۱۷۷) لوگوں کو فتنہ فساد ، افتراق و انتشار سے بچنے کی تاکید فرماتے (۳) یا پھر یہ ہے کہ لوگوں کو ایک دوسرے کے شر سے بچنے اور کام و کاروبار میں لوگوں سے حزم و احتیاط کی تاکید فرماتے تھے ' ای یحذر بعض الناس من بعض بامرھم بالحزم (مناوی ج۲ ص۱۷۷)

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کی توجیہ :

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا فرماتے ہیں :

اس لفظ کے مختلف ترجمے کئے گئے ہیں ۔ بندہ کے نزدیک اقرب یہی ہے دوسرے جملہ کے مناسب بھی ہے ۔ حاصل یہ ہے کہ حضور ﷺ خود بھی اپنی حفاظت اور احتیاط فرماتے اور دوسروں کو بھی لوگوں سے احتیاط کی تعلیم دیتے تھے ، جس کی توضیح یہ ہے کہ بلا وجہ کسی شخص پر بدگمانی کرنا ناجائز ہے ، لیکن بغیر بدگمانی کے اپنی حفاظت کرنا اور احتیاط رکھنا بہتر ہے ۔ احادیث میں مختلف عنوانات سے حزم اور احتیاط کی تعلیم بکثرت وارد ہے ۔ ابوداؤد شریف میں ایک قصہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے مکہ مکرمہ تقسیم کے لئے کچھ مال بھیجنے کا ارادہ کیا اور ایک صحابی ابن الفغواء کو مال لے جانے کے لئے تجویز

فرما کر کہہ دیا کہ کوئی ساتھی اپنے ساتھ لے جانے کے لئے تلاش کرلیں ، وہ تلاش میں تھے کہ عمرو نامی ایک شخص ان کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ تم مکہ جانے کے لئے کسی ساتھی کو تلاش کر رہے ہو ، میں تمہارے ساتھ چلوں گا ۔

ابن الفغواءؓ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھے ساتھی مل گیا ۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کون ہے ، انہوں نے پتہ بتا دیا ۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم اس کی قوم کی آبادیوں کے قریب پہنچو تو اس سے محتاط رہنا اس لئے کہ ایک ضرب المثل ہے کہ اپنے بکری بھائی سے (جو ایک قبیلہ کا نام ہے) محتاط رہنا ۔ ابن الفغواءؓ کہتے ہیں کہ ہم دونوں چل دیے ، جب میرے ساتھی کی قومی آبادیاں آگئیں تو وہ مجھ سے کہنے لگے کہ میں ان لوگوں سے مل آؤں ، تم میرا انتظار کرنا ، میں نے کہا کیا مضائقہ ہے ۔ اس کے جانے کے بعد مجھے حضور ﷺ کا ارشاد یاد آیا ، میں جلدی سے اپنا اونٹ تیار کر کے چل دیا ۔ تھوڑی دیر میں میں نے دیکھا کہ وہ چند لوگوں کے ساتھ آرہا ہے مگر میں احتیاط کی وجہ سے جلدی چلا گیا ۔ اس میں کئی نوع سے احتیاط کا مضمون وارد ہے ، اس کے علاوہ متعدد روایات میں حضور اکرم ﷺ سے لوگوں کو احتیاط کی تعلیم منقول ہے ، اسی لئے یہی معنی بہتر ہیں ۔ (خصائل: ۲۹۲)

طبعی رجحان یکسوئی کا تھا :

ویحترس منھم یعنی آپ ﷺ خود کو لوگوں سے یکسو رکھتے تھے مگر باوجود اس یکسوئی کے ہر ایک کے ساتھ خندہ روئی اور خوش خلقی میں کمی نہیں آنے دیتے تھے ۔

لوگوں سے بے تکلفی میں حزم و احتیاط :

ای یحفظ نفسہ من اذاھم او من شرورھم (جمع ج۲ ص۱۷۷) (یعنی اپنے نفس کو ان کی تکالیف اور شرور سے محفوظ رکھا کرتے) ۔

شیخ عبدالرؤف فرماتے ہیں کہ لوگوں سے کثرت مخالطت و مخاطبت ، تعلیم و تربیت و توجہ و عنایات کے باوجود بھی انتہائی بے تکلف نہیں ہو پاتے تھے ۔ بلکہ اپنے تحفظ کو برقرار

رکھتے ہوئے شگفتہ رہا کرتے ای یحفظ من کثرۃ مخالطتهم الموجبۃ فی مفرط هیبته و جلاله من قلوبهم لکن لا یفرط فی ذلک بل یحترس ۔ (مناوی ج ۲ ص ۱۷۷)

بارگاہ نبوت میں مخالفین بھی حاضر ہوتے اور منافقین بھی' مگر آپ ﷺ بڑے باوقار اور عزت و تمکین سے پیش آتے ۔ اُن کی شرارتوں' اور سازشوں کے باوجود آپ ﷺ اپنی عالی ظرفی اور بلند اخلاقی کا اظہار فرماتے' کبھی بھی بدخوئی اور گلہ شکوہ نہ فرماتے ۔ یطوی بمعنی یمنع ہے بشرہ سے مراد چہرے کی طلاقت و بشاشت مراد ہے ۔

یحترس سے یہ وہم ہو سکتا تھا کہ شاید اخلاقی لحاظ سے یہ کسی کمزوری کا اظہار ہو ولهذا اکدہ بقوله ولا خلقه (جمع ج ۲ ص ۱۷۷) (اس لئے اس کی تاکید ولا خلقه سے کر دی (یعنی یہ مطلب کہ باوجود شگفتہ رہنے کے کسی سے اپنی خندہ پیشانی اور خوش خلقی کو نہیں ہٹاتے تھے)

احباب کی خبر گیری کا اہتمام :

ویتفقد اصحابه یعنی اپنے احباب کی خبر گیری فرماتے یعنی وہ احباب جو حاضر باش ہوتے' ہمیشہ تحصیل علم' و طلب حاجت کے لئے آتے یا مسجد میں نماز پڑھنے آتے یا قریبی احباب داخل محلہ ہوتے' تو ان کی غیوبت کی صورت میں ان کا حال احوال دریافت فرماتے' پھر اگر کوئی بیمار ہوتا تو عیادت فرماتے' مسافر ہوتا تو اس کے لئے دعا فرماتے یا انتقال کر چکا ہوتا تو دعائے مغفرت کا اہتمام فرماتے"

علامہ بیجوری لکھتے ہیں فان کان احد منهم مریضاً عادہ او مسافراً دعا له او میتاً استغفر له ۔ (مواهب ص ۲۳۳)

عام لوگوں کی خبر گیری :

ویسأل الناس ..... یعنی حضور اقدس ﷺ لوگوں کے آپس کے معاملات' ان کے حالات و اخبار کی تحقیق فرماتے ۔ اگر رنجشیں ہوتیں' مشکلات و حاجات ہوتے' تو ان کی اصلاح فرماتے' اچھی باتوں' عمدہ حالات اور اخلاق حسنہ کی تحسین اور تقویت فرماتے اور انہیں برقرار رکھتے اور اگر کوئی برا واقعہ' معاملہ یا قصہ ہوتا تو اسے برائی اور مضرت سے آگاہ

فرما کر اسے زائل کر دیتے اور اس سے صحابہ کرامؓ کو روک دیتے تھے ۔ اور اس سے آپ ﷺ کا مقصد اور غرض ان کے عیوب و ذنوب کی تفتیش و تجسس ہرگز مطلوب نہیں ہوتا تھا)

شیخ ابراہیم الباجوریؒ فرماتے ہیں " ای یسأل خاصة اصحابه عما وقع فی الناس لیدفع ظلم الظالم و ینصر المظلوم و یقوی جانب الضعیف و لیس المراد انه یتجسس عن عیوبهم و یتفحص عن ذنوبهم ۔ (مواهب ص ۲۳۳)

علماء اس سے یہ استنباط بھی کرتے ہیں کہ اکابرین اُمت' حکمران' علماء' صلحاء' اور قائدین کی یہ ذمہ داری ہے کہ اس طریقہ پر لوگوں کی اصلاح کریں ۔ ان کے حالات و اخبار معلوم کریں' نیکی کو پھیلائیں اور بدی کو بروقت زائل کریں ۔ علامہ مناویؒ یہ لکھتے ہیں کہ وهذا ارشاد للحکام فی ان یکشفوا و یفحصوا بل و لغیرهم ممن کثر اتباعه کالفقهاء والصلحاء والاکابر فلا یغفلون عن ذلک لئلا یترتب علیه ما هو معروف من الضرر الذی قد لا یمکن تدارک رفعه ۔ (مناوی ج ۲ ص ۱۷۷)

اعتدال و میانہ روی :

معتدل الامر غیر مختلف تمام معاملات میں آپ اعتدال اور میانہ روی اختیار فرماتے تھے آپ کا کوئی کام بھی اختلاف والا نہیں ہوتا تھا ۔ اعمال کی طرح اقوال میں بھی اعتدال ہوتا تھا' تلون مزاجی سے نفرت تھی' صلح کی بات ہو یا جنگ کی' معاملات ہوں یا عبادات' ادائیگی حقوق کا مسئلہ ہو یا طلب حق' میانہ روی اور اعتدال ملحوظ ہوتا تھا ۔

غیر مختلف معتدل الامر کی تاکید ہے یا مستقل جملہ ہے ایسا نہ ہوتا کہ ایک کام لیا اور پھر اس کے پیچھے مستقل پڑ جاتے تھے' بلکہ تمام معاملات میں جمیع جوانب کا لحاظ کرتے تھے ۔

و حاصل المعنی ان سائر افعاله و اقواله علی سمت الاستواء والاعتدال (مناوی ج ۲ ص ۱۷۸) (اس کا حاصل یہی ہوا کہ آپ ﷺ کے جمیع اقوال و افعال ٹھیک اور معتدل طریقہ پر ہوا کرتے تھے)

ولا یغفل ..... حضور اقدس ﷺ تبلیغ و ارشاد' تعلیم و تربیت' تنظیم و جماعت اور اُمور دعوت میں مصروف رہتے' تا کہ حضرات صحابہ کرامؓ دنیاوی اُمور میں الجھ کر عبادات الٰہی

اور اصلاح احوال سے سستی اور کاہلی برتنا شروع کر دیں۔ آپ ﷺ اس کیفیت اور اس حال سے کسی بھی وقت بے پروائی نہیں برتتے تھے۔ والمعنی لایغفل عن مصالحهم من تذکیرهم و ارشادهم و نصحهم و تعلیمهم و اصلاحهم۔ (مناوی ج ۴ ص ۱۷۸) مخافة ان یغفلوا ای عنها بناءً علی مراعاة المتابعة ۔ (جمع ج ۲ ص ۱۷۸) غرض یہ ہے کہ آپ ﷺ کی متابعت و تابعداری میں غافل نہ ہو جائیں۔ اصول بھی یہی ہے کہ لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر چلتے ہیں۔ الناس علی دین ملوکهم۔ مریدین اپنے شیوخ کے طریقوں کو اپناتے ہیں اور تلامذہ اپنے اساتذہ کی پیروی کرتے ہیں، اسی طرح اُمت کو بھی اپنے نبی کی غلامی کرنی چاہئے۔

(۲) او خشیة ان یغفلوا عن الاستفادہ فیقعوا فی عدم الاستقامة یعنی اس بات کا بھی اندیشہ رہتا تھا کہ استفادہ سے غفلت ہوئی تو یہ عدم استقامت پر منتج ہوگی او یمیلوا الی الدعة والرفاهیة أو یمیلوا الی الملل او یمیلوا عنه و ینفروا مخافة! مفعول من اجله ای من اجل خوف غفلتهم۔ (مناوی ج ۴ ص ۱۷۸) (یا ان کا میلان عیش پرستی کی طرف ہو جائے گا اور یا ان کا میلان و رجحان مختلف ادیان و مذاہب کی طرف ہونے کا اور یا وہ آپ ﷺ سے یا اس کے دین سے روگردانی اور نفرت کر لیں گے۔ لفظ مخافة ترکیب میں مفعول لہ ہے (یعنی آپ ﷺ ان کی نصیحت سے اس لئے غافل نہ ہوا کرتے تا کہ وہ لوگ کہیں غفلت میں مبتلا نہ ہو جاویں)

ہر چیلنج کے مقابلہ کے لئے پہلے سے تیاری کر لیتے تھے:

لکل حال عنده عتاد، ہر کام ہر حالت اور ہر قسم کے چیلنج صلح، جنگ، عسرت، یسرت، خوف و امن اور ہر قسم کے انقلابات کے لئے آپ ﷺ کے پاس خاص انتظام تھا عتاد کا معنی سامان، اسباب، انتظام اور تیار رہنا ہے۔ ای کان یعد لکل امر ما یناسبه۔ (اتحافات ص ۳۶۲)

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، بفتح اوله و هو العدة والطعب مما یصلح لکل ما یقع و الاظهر انه علیه السلام اعد لکل امر من الامور حکما من الاحکم ودلیلا من

ادلة الاسلام او المعنی انه علیه الصلوٰة والسلام کان مستعد الجمیع العبادات من الجهاد وغیرہ (جمع ج ۲ ص ۱۷۸) اور ایک معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ۔ ما اعده الرجل من السلاح والمرکب و آلة الحرب خلاصہ یہ کہ حضور اقدس ﷺ جہاد ہو یا دیگر امور دینی ہر وقت اور ہر معاملہ کے مناسب حال پہلے سے تیار رہتے۔ اسلحہ، جانور اور دیگر ضروریات جنگ تیار رکھتے، صاحب لغات الحدیث (ج ۲ ص ۱۵) میں رقمطراز ہیں کہ ہر واقعہ کی تدبیر پیش از وقوع کر لیتے جو کمال دانشمندی اور انجام بینی کی دلیل ہے

حق کی ادائیگی اور وصول کا معمول:

کان لا یقصر عن الحق، یعنی حق کے بیان، ادائیگی اور اس کے حصول میں کوتاہی نہیں کرتے تھے۔ ای بیانه و استیفائه۔ (اتحافات ص ۳۶۲) و لا یجاوزه یعنی حق اور شرعی حد سے تجاوز نہ فرماتے تھے ولا یتجاوزه فلا یاخذ اکثر منه (مواہب ص ۲۲۵) ہر معاملہ میں افراط اور تفریط سے گریز فرماتے تھے۔ فیصلوں میں انصاف اور حق کی پاسداری آپ ﷺ کا معمول تھا۔

آپ ﷺ کے خواص، بہترین جماعت تھے:

الذین یلونه من الناس خیارهم، جو لوگ آپ ﷺ کے قریب تھے، وہ لوگوں میں بہترین تھے۔ اقوال، افعال، تقویٰ، دیانت اور معاملات کی صفائی، عزت و وجاہت اور مرتبہ و مقام میں گویا وہ لوگ عوام میں سے منتخب اور برگزیدہ لوگ تھے۔ اُمہات المؤمنین، بنات مطہرات، اہل بیت، خلفاء راشدین، عشرہ مبشرہ اور اکابر صحابہؓ اس کا مصداق ہو سکتے ہیں۔ یہ لوگ اکتساب علم، تحصیل فوائد میں بھی طلب صادق اور پھر افادۂ علم میں بھی مخلص تھے۔ بوجہ خیار الناس ہونے کے لوگوں میں درس و تدریس اور دعوت و تبلیغ کے کام کے لئے بھی موزون تھے۔ اسی لئے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا، لیلینی منکم اولو الاحلام والنهی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم" (مواہب ص ۲۲۵) مگر یاد رہے کہ ان کی یہ بہتری، افضلیت اور مقام و رتبہ بھی حضور اقدس ﷺ کی صحبت بابرکت کا ثمرہ تھا۔ آپ

ﷺ کی توجہات، عنایات اور آپ ﷺ کی خدمت عالیہ میں مسلسل حاضر رہنے کی وجہ سے وہ لوگوں میں بہترین افراد ہونے کا اعزاز پاتے تھے جو بھی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا، انسانیت کامل کی معراج کو پالیتا تھا۔

اخذِ مسائل :

شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں: فینبغی للمعلم فی درسه ان یجعل الذین یقربون منه خیار طلبته لانهم هم الذین یوثق بهم علماً و فهماً (مواہب ص۲۳۵) (تو استاذ اور مدرس کو چاہئے کہ اپنے قریب ان طلبہ کو بٹھلائے جو علم واکتساب و ذہانت میں لائق ترین ہوں کیونکہ یہ وہ اشخاص ہیں جن کے علم و فہم پر اعتماد کیا جاسکتا ہے)

بارگاہِ نبوت میں فضل و تقدم جنہیں حاصل تھا :

افضلهم عنده ...... یعنی بارگاہِ نبوت میں فضل و تقدم اور زیادہ مقبولیت و افضلیت انہیں حاصل ہوتی، جو عامۃ المسلمین کے دین و دنیا کی خیر خواہی میں لگے رہتے تھے اور یہی ان کا مشن ہوا کرتا تھا۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "الدین النصیحة" (مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۳ مواہب ص۲۳۵) یعنی دین تو خیر خواہی ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ خیر الناس من ینفع الناس بہترین آدمی وہ ہے جو لوگوں کو زیادہ فائدہ پہنچانے والا ہو۔

بارگاہِ نبوت کے معظم ترین لوگ :

واعظمهم عنده ...... مواساة وسی یسی و سیا سے ہے بمعنی مدد کرنا، تسلی دینا ہمدردی کرنا تاج بیہقی میں ہے، المواساة یعنی کسے را در چیز ہم چو خویش داشتن (یعنی کسی کو کسی چیز میں خود اپنے جیسا جاننا) موازرة: وزر یزر وزرا سے ہے بمعنی ہاتھ بٹانا، تقویت دینا اور اعانت کرنا تاج بیہقی میں ہے، موازرة بمعنی مددگاری کردن۔ یعنی حضور اقدس ﷺ ان لوگوں کی بڑی قدر، احترام اور تعظیم فرماتے تھے، جو اپنے فقر و احتیاج کے باوصف دیگر محتاجین و مستحقین کی مدد کو ترجیح دیتے تھے، وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر: ۹) (اور خود اپنے اوپر انہیں ترجیح دیتے ہیں گو خود کو کتنی ہی سخت

حاجت ہو) اور اپنے بھائیوں کے ساتھ مہمات اُمور میں نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرتے تھے۔ وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى (المائدة:۲) (نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو) اور حدیث میں ہے فالله فی عون العبد مادام العبد فی عون اخیه المسلم (مسلم) (اللہ تعالیٰ بندے کی مدد میں ہوتے ہیں جتنے تک بندہ کسی مسلمان کی مدد کرنے میں لگا رہتا ہے) ایک دوسری حدیث میں ہے، ومن کان فی حاجة اخیه کان الله فی حاجته و من فرج عن مسلم کربة فرج الله عنه کربة من کربات یوم القیامة۔ (مشکوٰۃ ص۴۲۲) (جو کوئی مسلمان بھائی کی خدمت میں مصروف رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ضروریات اور حاجات پوری کرتا رہتا ہے اور جس نے کسی مسلمان کی پریشانی کو دور کیا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پریشانیاں دور فرمادے گا) یہ وہ لوگ تھے، جو خدمت اور غمگساریٔ خلق میں حصہ لیتے تھے تو آپ ﷺ کی نظروں میں بزرگ ترین ہونے کا مقام پاتے تھے۔

آپ ﷺ کی بارگاہ میں وہی شخص مکرم، محترم اور بزرگ تر ہے، جس کے دل میں مخلوق خدا کی ہمدردی کے جذبات ہوں، جو مسکین لوگوں کے کام آئے دکھیاروں کی دوا ہو صاحبانِ حوائج کی حاجت برداری کرے، مصیبت زدوں کے بوجھ اٹھا کر ان کی مصیبتوں کو دور کرے اور ہر ایک انسان کو اس کی ضرورت کے وقت کام آئے۔

حضور اقدس ﷺ کی مجالس ذکر اللہ سے معمور ہوا کرتی تھی :

قال فسئلت عن مجلسه ..... حسین بن علیؓ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے اپنے والد سے آپ ﷺ کی مجلس سے متعلق سوال کیا، تو انہوں نے جواب میں ارشاد فرمایا، قال ...... اٹھنے بیٹھنے اور مجالس کے آغاز و اختتام پر ذکر الٰہی ہوتا، جو کنایہ ہے ہمہ وقتی ذکر سے، جن مجالس میں اللہ کا ذکر نہ ہو، قیامت کے روز ان پر حسرت و افسوس ہوگا۔ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے: ما من قوم یقومون من مجلس لایذکرون الله فیه الا قاموا عن مثل جیفة حمار و کان علیهم حسرة (رواه احمد و ابوداؤد) نہیں اٹھی کوئی قوم کسی مجلس سے کہ اس میں ذکر اللہ نہ کیا ہو، مگر اٹھے مردار گدھے کی طرح اور ان پر

حسرت وافسوس ہے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں : "ما عمل العبد عملا انجی له من عذاب الله من ذکر الله" (رواه مالک والترمذی وابن ماجة) یعنی بندے کا کوئی عمل ایسا نہیں جو اسے عذاب الٰہی سے سب سے زیادہ نجات کا باعث ہو بغیر ذکر اللہ کے۔

شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں، وهذه الآية اصل فی ذلک اعنی الذکر عند القعود و القیام اور یہ آیت اسی مسئلہ میں یعنی بیٹھے اور کھڑے ذکر الٰہی کرنے میں اساسی حکم رکھتی ہے۔

مزید فرماتے ہیں وفیه ندب الذکر عند القعود والقیام و هو من اعظم العبادات لقوله تعالٰی ولذکر الله اکبر الذین یذکرون الله قیاما و قعودا و علی جنوبهم (مناوی ج۴ ص ۱۷۹) یعنی اس میں ثابت ہو رہا ہے کہ بیٹھے اور کھڑے ذکر الٰہی کرنا فضائل کی طرف سبقت کرنا ہے اور یہ بزرگ ترین عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ذکر اللہ بہت بڑی عبادت ہے اور دوسری آیت میں ہے کہ وہ لوگ (جو صاحبانِ عقل و فراست ہیں) کھڑے اور بیٹھے اور کروٹوں کے بل اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ آپ ﷺ کی مجالس کی ابتداء بھی اور انتہاء بھی ذکر اللہ پر ہوا کرتی تھی۔ ای ان الذکر هو مبدا جلوسه و منتهاه۔ (اتحافات ص ۳۶۵)

آدابِ مجلس :

و اذا انتهی .... مفہوم حدیث تو تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے۔ یعنی حضور اقدس ﷺ کو بالانشینی پسند نہ تھی۔ و یامر بذلک اور اسی طرح بے تکلف مجلس میں بیٹھنے کا اپنے صحابہؓ کو بھی ارشاد فرماتے۔ یہ آپ ﷺ کی اپنے صحابہ کرامؓ کے ساتھ کمال درجے کی تواضع کا مظاہرہ تھا اور ان کو تعلیم و تربیت اور اخلاق حسنہ کی ترغیب دینا تھا اور قولاً و عملاً ادھر توجہ دلانا مقصود تھی کہ مجالس میں اُٹھتے بیٹھتے دھکے نہ دیے جائیں، کندھوں پر چھلانگیں نہ لگائی جائیں اور ہوسِ بالانشینی میں ایذاء مسلم سے بچا جائے۔ سٹیج پر پہنچنا اور بالانشینی کی حرص اور شوق تکبر و نخوت کی علامت ہے، جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ وهذا خلق لایطیقه الا نبینا محمد صلی الله علیه وسلم (اتحافات ص ۳۶۵) (اور یہ ایسی بہترین

عادت و خصلت ہے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کے علاوہ کسے بھی بجالانے کی قدرت و طاقت نہیں ہو سکتی)

تمام حاضرین مجلس حصہ وافر پاتے تھے :

یعطی کل جلسائه ... یعنی آپ ﷺ علوم و معارف، ہدایات اور کھانے پینے کی اشیاء، تحائف اور ہدایا میں سب کو برابر کا حصہ عنایت فرماتے تھے۔ روحانی و مادی فیوض و برکات سے سب برابر مالا مال اور سیراب ہوتے تھے۔ کوئی بھی حاضر مجلس آپ ﷺ کی توجہ و عنایات سے نامراد نہ لوٹتا بلکہ سیر ہو کر بامراد اٹھتا۔

حاضرینِ مجلس کا تأثر :

لایحسب جلیسه .... آپ ﷺ کی صحبت میں بیٹھنے والوں میں ہر ایک یہی سمجھتا تھا کہ وہ آپ ﷺ کے سب سے زیادہ قریب و عزیز ہے۔ آپ ﷺ امت پر شفیق اور مومنوں پر رؤف و رحیم تھے۔ آپ ﷺ کے پاس بیٹھنے والے ہر ایک کو یہ یقین ہوتا تھا کہ آپ ﷺ کے نزدیک دوسروں سے زیادہ میں ہی عزیز ہوں۔ سب خدام اور رفقاء کار اپنے آپ کو آپ ﷺ کے معزز و مقرب ترین ساتھی سمجھتے تھے۔ دفعا للحسد و رفعا للتباغض والتقاطع المنهی عنه۔ (مناوی ج۴ ص ۱۸۰) (حضور ﷺ کا یہ حسین برتاؤ ان کے آپس میں بغض و حسد اور بائیکاٹ کے دفع کرنے کے لئے تھا)

طویل کلام اور طولِ نشست پر ناگواری ظاہر نہ فرماتے :

من جالسه ...... یعنی حضور اقدس ﷺ اپنے حاضرینِ مجلس، ملاقاتیوں اور زائرین و حاجتمندوں کو فارغ کرنے میں جلدی نہیں کرتے تھے۔ صابره ای غالبه فی الصبر علی المجلس والمکالمة ولا یبادر بالقیام عنه و لایقطع کلامه و لایظهر الملال والسآمة بل یستمر معه (مناوی ج۴ ص ۱۸۰) یعنی اپنے ملاقاتی کی بات غور سے سنتے جب تک وہ بیٹھے رہتے یا بات کرتے، آپ ﷺ متوجہ رہتے۔ اس کے قطع کلام یا مجلس کے برخاست کرنے میں پہل نہ فرماتے، نہ چہرے پر پریشانی اور ناگواری کے اثرات ظاہر

ہوتے، جو آپ ﷺ کے کریمانہ اخلاق، کمالِ تواضع اور عبدیت وانکساری کی اعلیٰ مثال ہے۔

سائلین کے ضروریات کی تکمیل فرماتے:

و من سألہ حاجۃ...... سائلین کی ضرورت پوری فرماتے اور اگر کسی وقت سائلین کی مطلوبہ ضرورت کی تکمیل کے وسائل نہ ہوتے تو بہت ہی نرمی، محبت، شفقت اور معقول عذر سے ان کی تسلی اور تشفی فرماتے۔ وھذہ من کمال سخاوتہ و مروتہ و حیائہ۔ (مناوی ج ۲ ص ۱۸۱) (اور یہی باتیں حضور ﷺ کی سخاوت، مروت اور باحیا ہونے میں باکمال ہونے کی دلیل ہے)

وسعتِ اخلاق وسخاوت:

قد وسع الناس ... یعنی آپ ﷺ کی خندہ روئی، سخاوت اور کریمانہ اخلاق کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ آپ ﷺ کشادہ رو، خندہ جبین اور حد درجہ خوش اخلاق تھے، جو بھی ایک مرتبہ آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ وہ آپ ﷺ کی ذات ستودہ صفات کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔ قد وسع الناس ای اجمعین حتی المنافقین لکونہ رحمۃ للعالمین" (جمع ج ۲ ص ۱۸۱) (حضور ﷺ کی یہ وسعتِ اخلاق وسخاوت سب لوگوں کے لئے حتیٰ کہ منافقین کے لئے بھی تھی کیونکہ آپ ﷺ کی ذات تو رحمۃ للعالمین ہی ہے) بسطہ ای جودہ و کرمہ و سماحہ و خلقہ ای و حسن خلقہ فالمراد صفاتہ الظاہرۃ و الباطنۃ (جمع ج ۲ ص ۱۸۱) (یعنی بسط سے مراد آپ ﷺ کا جود وکرم اور حسنِ اخلاق ہیں تو گویا مراد صفاتِ ظاہری اور باطنی ہے)

اُمت پر رحمت وشفقت کی انتہاء:

فصار لھم ابا...... آپ ﷺ تمام مخلوق کے لئے شفقت، محبت، ہمدردی، غمخواری میں گویا باپ کی طرح تھے، جس طرح والد شفقت، محبت، تو دت، اصلاح، خبر گیری، حاجت برآری، حلِ مشکلات میں اپنی اولاد کا سہارا ہوتا ہے۔ آپ ﷺ بھی مخلوقِ خدا کا

گویا ایک شفیق والد کی طرح عظیم سہارا تھے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر واعظم من اب الاظاہۃ الاب ان یسعی فی صلاح الظاہر وھو یسعی فی صلاح الظاہر والباطن۔ (مناوی ج ۲ ص ۱۸۱) (کیونکہ والد تو اپنی اولاد کی ظاہری طور پر اصلاح کی کوشش میں لگا رہتا ہے اور آپ ﷺ تو امت کے ظاہری اور باطنی اصلاحات میں ہمہ تن مصروف رہتے تھے) اور قرآن مجید میں تصریح ہے۔ النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ ۔ (احزاب: ۶)

اس کا ایک معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ مؤمنین پر ان کی جانوں سے زیادہ ان پر رأفت ورحمت اور لطف وکرم فرماتے ہیں اور نافع تر ہیں۔ آپ ﷺ کا اپنی اُمت پر شفقت ورأفت کا کیا عالم تھا۔ شیخ عبدالرؤف فرماتے ہیں ومن ثم اشفق علی ذوی الکبائر من امتہ و امرھم بالستر و اتی برجل بعد تحریم الخمر و ھو سکران و تکرر ذلک فلعنوہ فقال لا تلعنوہ فانہ یحب اللّٰہ و رسولہ (مناوی ج ۲ ص ۱۸۱) (اور اس لئے تو آپ ﷺ اپنی امت کے کبیرہ گناہ کے مرتکبین پر خوف کیا کرتے اور ان پر پردہ پوشی دینے کا حکم فرمایا۔ اور حضور ﷺ کے پاس شراب کی حرمت کے بعد ایک شخص نشہ کی حالت میں لایا گیا اور وہ بار بار یہ فعل کرتا تھا۔ تو صحابیؓ نے اس پر جب لعن وتشنیع کرنا شروع کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس پر لعنت نہ کرو۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتے ہیں)

آپ ﷺ کی مجالس کا ایک منظر:

و مجلسہ ... یعنی آپ ﷺ کی مجالس میں علوم ومعارف کا افادہ واستفادہ ہوتا تھا۔ حیاء وشرم کی تعلیم وتربیت ہوتی تھی۔ خواہشات کی پامالی آپ ﷺ کی صحبتوں کا ثمر اور نتیجہ صبر تھا۔ مجالسِ امانت کا مطلب یہ ہے کہ جو احکام وہدایات اور تعلیمات دی جاتی تھیں انہیں محفوظ کر کے بے کم وکاست دوسروں تک پہنچانے کا اہتمام ہوتا تھا، جو اسرار ہوتے وہ سینوں کے دفینے بن جاتے۔ یہ چاروں باتیں یعنی علم، حیا، صبر اور امانت آپ ﷺ کی مبارک مجالس میں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔ مجالس میں ادب واحترام انکسار وتواضع کا یہ عالم ہوتا کہ کسی کو آواز بلند کرنے کی ہمت نہ ہوتی اور نہ کسی قسم کے شور وشغب کو راہ ملتی،

بلکہ حکم خداوندی " لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی " (کہ تم اپنی آوازیں حضور ﷺ کی آواز پر بلند نہ کریں) پر ہمہ تن عمل پیرا رہے۔ صاحب اتحافات فرماتے ہیں ان مجلسہ کان کلہ صلحاً و علماً و صبراً و ادباً و امانۃ و عدم رفع للاصوات و صفاء و سرور " (اتحافات ص۳۶۵) (کہ آپ ﷺ کی مجلس و محفل سب اصلاحی، علمی، صبر، ادب وامانت پر مشتمل اور اخلاص وخوشی کے ساتھ جس میں کسی قسم کا شور وشغب نہ ہوتا تھا)

مجالس کی پاکیزگی :

ولاتؤبن ..... مجالس کی پاکیزگی کا یہ عالم تھا کہ اس میں کسی کی عزت وناموس پر عیب نہیں لگایا جاتا تھا۔ من الابن وھی العقد فی القصبات (مناوی ج۲ ص۱۸۱)(أبن کا معنی بانسوں میں گرہ پیدا ہونا) وھو العیب او التھمۃ ای لاتقذف ولاتعب کذا فی الفائق ای لاتعرف ولا تذکر بقبیح (جمع ج۲ ص۱۸۱)(ملاعلی قاری لاابن کا معنی عیب اور تہمت سے کرتے ہیں تو لاتؤبن کا معنی تہمت اور عیب نہیں لگایا جاتا تھا۔ اسی طرح فائق میں ہے یعنی نہ کسی کی غلطی کو شہرت دی جاتی اور نہ کسی کا تذکرہ برائی کے ساتھ کیا جاتا تھا)

ولاتنثی ..... اور نہ مجالس میں لوگوں کے عیوب وزلات کو اچھالا جاتا تھا بلکہ آپ ﷺ کی مجالس بغوات ولغویات سے پاک ہوتی تھیں۔ علامہ مناوی لکھتے ہیں ای لاتشاع و لاتذاع فلتاتہ ای زلاتہ وھفواتہ واحدہ فلتۃ وھو الھفوۃ۔ (مناوی ج۲ ص۱۸۲)

صفاتِ صحابہ کرامؓ :

متعادلین ..... یعنی سب صحابہ کرامؓ اپنے آپ کو دوسروں کے برابر سمجھتے تھے۔ کبر وغرور سے نفرت تھی۔ ای متساوین لایتکبر بعضھم علی بعض بالحسب والنسب بل کانوا کما قال یتفاضلون بالتقوی (جمع ج۲ ص۱۸۲)

یعنی آپ کی مجالس میں بعض کو بعض پر تقویٰ کی وجہ سے فضیلت حاصل تھی اور یہ آپ ﷺ ہی کی تربیت وصحبت کی برکت تھی کہ صحابہ کرامؓ بڑوں کی عزت کرتے، چھوٹوں پر رحم کھاتے، حاجتمندوں کو ترجیح دیتے اور مسافروں کا اکرام واحترام اور ان کی حفاظت فرماتے

وھذا الحدیث من الجوامع الدالۃ علی کمال اوصافہ صلی اللہ علیہ وسلم (اتحافات ص۳۶۵)(اور یہ حدیث جوامع الکلم میں سے ہے جو حضور ﷺ کے اوصاف کاملہ پر دلالت کرتی ہے)

(۲۲۳/۸) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بَزِيْعٍ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ حَدَّثَنَا سَعِيْدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اُهْدِيَ اِلَيَّ كُرَاعٌ لَقَبِلْتُ وَلَوْ دُعِيْتُ عَلَيْهِ لَاَجَبْتُ ۔

ترجمہ ۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں محمد بن عبداللہ بن بزیعؒ نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے بشر بن مفضل نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت سعید نے قتادہ کے حوالے سے بیان کی اور انہوں نے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر مجھے بکری کا ایک پیر بھی دیا جائے تو میں قبول کروں اور اگر اس کی دعوت دی جائے تو میں ضرور جاؤں۔

راوی حدیث (۲۰۳) محمد بن عبداللہ بن بزیعؒ کے حالات " تذکرہ راویان شمائل ترمذی " میں ملاحظہ فرمائیں۔

الکُراع کا لغوی معنٰی :

الکراع بکری یا گائے کے پائے کو کہتے ہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ ٹخنوں سے نیچے والے حصے کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع اکرع اور اکارع آتی ہے۔

ملاعلی قاریؒ نے بھی کراع کے یہی معنی نقل کیے ہیں وھو مادون الرکبۃ من الساق و مادون الکعب من الدواب۔ (جمع ج۲ ص۱۸۲)

تحفہ و دعوت کی قبولیت سنت ہے :

بکری کے پائے کے ذکر سے مراد تحفہ اور ہدیہ کی کمی اس کا تھوڑا اور ادنیٰ ہونا ہے۔

یعنی تحفہ کم سے کم ہو اور تھوڑے سے تھوڑا ہو، قبول کرلوں گا کہ تحفہ قبول کرنے میں حظ نفس نہیں ہوتا، بلکہ بھیجنے والے کی دلجوئی مقصود ہوتی ہے۔ اسی طرح دعوت پر جانے کی منظوری میں بھی مقصود کھانا نہیں، بلکہ داعی کی تسکین خاطر ہے، جو آپ ﷺ کے حسن اخلاق اور کمال تواضع کی روشن دلیل ہے۔ شیخ عبدالرؤف لکھتے ہیں، وفیہ ندب قبول الھدیۃ و اجابۃ الدعوۃ و لوالشی قلیل و کمال تواضعہ و حسن خلقہ وجلبہ للقلوب۔ (مناوی ج۲ص۱۸۳) یعنی اگرچہ تھوڑی سی چیز کا تحفہ کیوں نہ ہو یا تھوڑی شئی پر دعوت کیوں نہ دی گئی ہو اسے قبول کرنا اور دعوت پر جانا اس حدیث کی رو سے مندوب ہے اور اسی حدیث سے آپ ﷺ کا کمال تواضع حسن اخلاق اور دلوں کو موہ لینا ثابت ہے۔

(۳۲۳/۹) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ جَاءَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ بِرَاكِبِ بَغْلٍ وَّلَا بِرْذَوْنٍ.

ترجمہ: امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدالرحمٰن نے بیان کیا۔ ان کو یہ روایت سفیان نے محمد بن منکدر کے حوالے سے بیان کی اور انہوں نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ (میری عیادت کے لئے) تشریف لائے نہ خچر پر سوار تھے نہ ترکی گھوڑے پر (یعنی نہ گھٹیا سواری پر سوار تھے نہ بڑھیا پر بلکہ پاپیادہ تشریف لائے۔

حضور ﷺ اپنے صحابہؓ کی پیدل چل کر عیادت فرماتے:

قال جاءنی ...... حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ ہمارے پاس (عیادت کے لئے) تشریف لائے' تو خچر یا ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوتے تھے۔ البرذون 'الفرس العجمی۔ (اتحافات ص۳۲۶) و فی المغرب ھو الترکی من الخیل و لعلہ اراد ما یشمل البرذونۃ تغلیباً۔ (مواہب ص۳۳۸) (برذون کا معنی کسی کے نزدیک عجمی گھوڑے کے ہیں اور کوئی اس کا معنی ترکی گھوڑے سے کرتے ہیں نیز برذون اگرچہ مذکر ذکر کیا گیا لیکن

تغلیبا برذونہ (گھوڑی مادہ) کو بھی شامل ہے) یعنی نہ تو آپ ﷺ کے پاس گھٹیا سواری تھی نہ بڑھیا بلکہ پاپیادہ تھے۔ علامہ البیجوری فرماتے ہیں 'فکان صلی اللہ علیہ وسلم لتواضعہ یزور علی اصحابہ ماشیا (مواہب ص۳۳۸)

یعنی حضور اقدس ﷺ اپنے صحابہؓ کے ہاں اکثر اوقات میں تواضعاً پیادہ تشریف لے جایا کرتے۔ بخاری شریف میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ کہتے ہیں کہ میں بیمار ہوا تو حضور اقدس ﷺ اور ابوبکر صدیقؓ دونوں پیادہ پا میری بیمار پرسی کے لئے تشریف لائے اور مجھے بے ہوشی کے عالم میں پایا۔ حضور ﷺ نے وضو بنایا، پھر اس وضو کا پانی مجھ پر چھڑکا تو مجھے ہوش آ گیا، آرام ہو گیا۔

حضرت جابرؓ سے ایک دوسری روایت میں بھی آپ ﷺ کی شفقت' فروتنی' انکساری اور تواضع کا بیان ہے۔ فرماتے ہیں کہ "ہمارے پاس نبی کریم ﷺ تشریف لائے۔ آپ ﷺ نہ تو کسی عمدہ گھوڑے پر سوار تھے اور نہ کسی خچر پر' آپ ﷺ جب سواری پر سوار ہوتے تو اپنے پیچھے کسی غلام کو بٹھا لیتے اور کبھی کسی عام آدمی کو' کبھی ایسا ہوتا کہ آپ ﷺ خود درمیان میں ہو جاتے اور ایک عام آدمی کو پیچھے بٹھا لیتے اور ایک آدمی کو آگے۔ جب آپ ﷺ مکہ مکرمہ تشریف لائے تو بنی عبدالمطلب کے بچوں نے آپ ﷺ کا استقبال کیا۔ آپ ﷺ نے ایک بچے کو آگے بٹھا لیا اور ایک کو پیچھے بٹھایا۔

حدیث باب سے استدلال کرتے ہوئے شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں و ھذا الحدیث یفید ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم یزور اصحابہ و یعودھم ماشیا لما فی ذلک من کثرۃ الثواب و عظیم التواضع (اتحافات ص۳۲۶) (حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے صحابہؓ کی زیارت وملاقات اور بیمار پرسی پیدل چل کر فرمایا کرتے تھے کیونکہ اس میں تواضع کے ساتھ ساتھ بہت ثواب و درجات کا حصول بھی ہے)

(۳۲۵/۱۰) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَخْبَرَنَا اَبُوْ نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ اَبِي الْهَيْثَمِ الْعَطَّارُ قَالَ سَمِعْتُ يُوْسُفَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ سَمَّانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْسُفَ وَاَقْعَدَنِيْ فِيْ حَجْرِهٖ وَمَسَحَ عَلٰى رَأْسِيْ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابونعیم نے خبر دی۔ انہیں یہ روایت یحییٰ بن ابی ہیثم عطار نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں میں نے یوسف بن عبداللہ بن سلام کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ کہ حضور اقدس ﷺ نے میرا نام "یوسف" تجویز فرمایا تھا اور مجھے اپنی گود میں بٹھلایا تھا اور میرے سر پر دست شفقت پھیرا تھا۔

راویان حدیث (۲۰۴) یحییٰ بن ابی الہیثمؒ اور (۲۰۵) یوسف بن عبداللہ بن سلامؓ کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

بچوں سے محبت اور شفقت :

سماني رسول الله صلى الله عليه وسلم يوسف واقعدني في حجره الخ

الحجر: الثوب و هو طرفه المقدم منه لان الصغير يوضع فيه عادة و يطلق على المنع من التصرف و على الانثى من الخيل و حجر ثمود و حجر اسماعيل و غير ذلك مما في قول بعضهم

ركبت حجرا و طفت البيت خلف الحجر
و حزت حجرا عظيما ما دخلت الحجر
لله حجر منعني من دخول الحجر
ما قلت حجرا و لو اعطيت ملء الحجر

(مواہب ص ۲۲۹)

(حضور ﷺ نے میرا نام یوسف رکھا اور مجھے اپنی گود میں بٹھلایا۔ لفظ حجر (حاء پر تینوں حرکات کے ساتھ مختلف معانی میں مستعمل ہوتا ہے) علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں کہ یہاں مراد کپڑے (قمیص وغیرہ) کا سامنے کا حصہ اور کنارہ (یعنی دامن، گود) اس لئے کہ چھوٹے لڑکے کو عادتاً اس میں رکھا جاتا ہے۔ اور اس کا اطلاق ممانعت، گھوڑی، حجر ثمود، حجر اسماعیل علیہ السلام وغیرہ پر (یعنی عقل، پتھر، حرام، آنکھ کا خانہ) ہوتا ہے جیسے بعض شعراء کے اس

قول میں کہ میں نے گھوڑی پر سوار ہو کر حجر اسود کے پیچھے بیت اللہ کا طواف کیا۔ اور میں نے ایک عظیم الشان پتھر (حجر اسود) کو پناہ کے لئے مخصوص کیا۔ میں کسی معمولی پناہ گاہ میں داخل نہیں ہوا قسم بخدا یہ ایسا حجر کہ عالی شان پتھر ہے کہ اس نے مجھے حجر ثمود وغیرہ کے داخل ہونے سے روک دیا میں نے کبھی کوئی ممنوع (حرام) کام کا حکم نہیں کیا اگرچہ اس کے لئے مجھے بھری دامن (سونا چاندی) کی پیش کش بھی ہوئی ہو)

وهو بالكسر ما بين يديك من بدنك و بالفتح فرج الرجل والمرأة (مناوی ج۲ ص ۱۸۳) جس طرح یوسف بن عبداللہ بن سلام نے آپ ﷺ کی شفقت، محبت اور پیار کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح تمام صحابہ کرامؓ کے بچوں کے ساتھ آپ ﷺ پیار اور محبت فرماتے تھے۔ علامہ یوسف النبھانیؒ فرماتے ہیں "جب کہیں راستے میں بچے ملتے، تو ان کو سلام کرتے، خندہ پیشانی کے ساتھ ان کے ساتھ گفتگو فرماتے، جب باہر سفر سے تشریف لاتے، تو سب سے پہلے گھر کے بچوں سے ملتے، بچوں اور گھر والوں سے حد سے زیادہ شفقت و محبت فرماتے، جب کوئی شخص کسی بچہ کو آپ ﷺ کی خدمت میں لاتا تو آپ ﷺ کوئی کھانے کی چیز اپنے دہن مبارک میں چبا کر اس بچے کے منہ میں ڈال دیتے۔ اس کے لئے خیر و برکت کی دعا کرتے۔ انصار کے گھروں میں تشریف لے جاتے تو ان کو سلام کرتے اور پیار سے اُن کے سروں پر ہاتھ پھیرتے۔ (وسائل الوصول)

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں حضور ﷺ کی کمال شفقت اور بچوں پر کمال رحمت معلوم ہوتی ہے۔ نیز تواضع کا کمال بھی ہے کہ ایسے کم عمر بچوں کو گود میں لینے سے اعراض و استنکاف نہ فرماتے تھے اور یہ بھی کہ بچوں کا بزرگوں کی خدمت میں لے جانا اُن سے نام تجویز فرمانا ثابت ہوتا ہے۔ (خصائل) وفيه انه يسن لمن يطلب به و يتبرك به تسمية اولاد اصحابه و تحسين اسماءهم و ان اسماء الانبياء من اسماءهم الحسنة و وضعه في الحجر (مناوی ج۲ ص ۱۸۳) (علامہ مناویؒ لکھتے ہیں حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص حضور ﷺ کی تابعداری کرنا چاہے تو اس کو چاہئے کہ اپنے احباب و متعلقین کی اولاد کے لئے اچھے نام تجویز فرمائے خصوصاً انبیاء کرام

علیہم السلام کے مبارک اسماء وغیرہ سے انتخاب فرمائے۔ نیز چھوٹے بچوں کو گود میں لینے کے عمل کی سنیت بھی معلوم ہو رہی ہے)

مسح علی راسی ! زاد الطبرانی و دعا لی بالبرکة و فی فعله لهذین من کمال رحمته و محاسن اخلاقه و تواضعه مالا یخفی۔ (مناوی ج ۲ ص ۱۸۲)

(اور آپ ﷺ نے پیار سے میرے سر پر ہاتھ پھیرا۔ طبرانیؒ نے یہ زیادتی نقل فرمائی کہ میرے لئے برکت کی دعا بھی فرمائی اور حضور ﷺ کے ان دو افعال کے عمل سے آپ ﷺ کی تواضع، حسن خلق اور کمال شفقت پوری طرح واضح ہو رہی ہے)

(۳۲۶/۱۱) حدثنا إسحق بن منصور حدثنا أبو داود حدثنا الربيع وهو ابن صبيح حدثنا يزيد الرقاشي عن أنس بن مالك أن النبي صلى الله عليه وسلم حج على رحل رث وقطيفة كنا نرى ثمنها أربعة دراهم فلما استوت به راحلته قال لبيك بحجة لا سمعة فيها ولا رياء.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں اسحق بن منصور نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابوداود (طیالسی) نے بیان کیا۔ ان کو ربیع بن صبیح نے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے یزید رقاشی نے بیان کیا اور انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کی۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک کجاوہ پر حج کیا، جس پر کپڑا تھا، جس کی قیمت ہمارے خیال میں چار درہم ہوگی۔ حضور ﷺ یہ دعا کرتے تھے کہ خدایا اس حج کو ریا اور شہرت سے مبرا فرمائیے۔

مضمون حدیث تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہے، تحریح اسی باب کی حدیث نمبر ۵ میں گذر چکی

(۳۲۷/۱۲) حدثنا إسحق بن منصور حدثنا عبد الرزاق حدثنا معمر عن ثابت البناني وعاصم الأحول عن أنس بن مالك أن رجلا خياطا دعا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقرب له ثريدا عليه دباء وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم

يأخذ الدباء وكان يحب الدباء قال ثابت فسمعت أنسا يقول فما صنع لي طعام أقدر على أن يصنع فيه دباء إلا صنع

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں اسحق بن منصور نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدالرزاق نے بیان کیا۔ ان کو یہ روایت معمر نے ثابت بنانی اور عاصم احول کے حوالے سے بیان کی اور انہوں نے اسے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک درزی نے حضور اقدس ﷺ کی دعوت کی۔ کھانے میں ثرید تھا اور اس پر کدو پڑا ہوا تھا۔ حضور اکرم ﷺ کو کدو چونکہ مرغوب تھا، اس لئے حضور اکرم ﷺ اس پر سے کدو نوش فرمانے لگے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد سے میرے لئے کوئی کھانا تیار نہیں کیا گیا، جس میں مجھے کدو ڈلوانے کی قدرت ہو اور کدو اس میں نہ ڈالا گیا ہو۔

یہ حدیث اس سے قبل باب ماجاء فی ادام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں گذر چکی ہے۔ یہاں بقول علامہ البیجوریؒ کہ "لدلالته علی تواضعه" (مراہب ص ۱۳۹) (آپ ﷺ کے تواضع پر دال ہونے کے پیش نظر اسے دوبارہ نقل کر دیا گیا ہے۔ وہاں بجائے ثرید کے شوربے روٹی کا ذکر تھا۔ یہاں ثرید کی تصریح ہے۔ ثرید شوربے میں بھیگی ہوئی روٹی کو کہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ دونوں چیزیں ہوں۔ شوربا روٹی بھی ہو اور ثرید بھی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ ثرید اس کو مجازاً کہہ دیا ہو یا اس حدیث میں شوربا روٹی اجزاء کے لحاظ سے کہہ دیا ہو کہ ثرید بھی شوربا روٹی ہی ہوتی ہے۔

(۳۲۸/۱۳) حدثنا محمد بن إسمعيل حدثنا عبد الله بن صالح حدثني معاوية بن صالح عن يحيى بن سعيد عن عمرة قالت قيل لعائشة ماذا كان يعمل رسول الله صلى الله عليه وسلم في بيته قالت كان بشرا من البشر يفلي ثوبه ويحلب شاته ويخدم نفسه.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن اسمٰعیل نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ

ہم اسے عبداللہ بن صالح نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت معاویہ بن صالح نے یحییٰ بن سعید کے واسطے سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت عمرۃ سے نقل کی۔ عمرۃ کہتی ہیں کہ کسی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ حضور اقدس ﷺ دولت کدہ میں کیا کرتے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ آدمیوں میں سے ایک آدمی تھے۔ اپنے کپڑے میں خود ہی جوں تلاش کر لیتے تھے اور خود ہی بکری کا دودھ نکال لیتے تھے اور اپنے کام خود ہی کر لیتے تھے۔

راوی حدیث (۱۰۶) عمرۃ کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں

بعض الفاظ حدیث کی تشریح :

یفلی ' اس کا مصدر فلیاً اور تفلیۃ آتا ہے جب یہ الامر کے ساتھ آئے تو کسی معاملے کے اسباب و وجوہ پر غور کرنا مراد ہوتا ہے جب السیف کے ساتھ آئے تو تلوار کے ساتھ مارنا مراد ہوتا ہے، جب عقل کے ساتھ آئے تو آزمائش کرنا مراد ہوتا ہے اور جب راس یا ثوب کے ساتھ آئے تو سر یا کپڑے سے جوئیں ڈھونڈنا اور تلاش کرنا مراد ہوتا ہے اور یہاں بھی یہی معنیٰ مراد ہے۔ فلی رأسه بحثه عن القمل کفلاه ای بحثه (تاج ج ۱۰ ص ۱۸۵) یحلب ' حلب یا حلابۃ سے ہے بمعنیٰ دودھ دوہنے کے۔

سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم :

کان بشرا من البشر...... یعنی آپ ﷺ بھی بشری تقاضے لے کر پیدا ہوئے تھے۔ اسی لئے تو اُمت کے لئے اسوۂ حسنہ ہیں۔ گھر کا کام کاج کرنا، گھر میں خوش اسلوبی کے ساتھ زندگی گذارنا' اپنے کام خود انجام دینا' معمولی اور چھوٹے چھوٹے کام اپنے ہاتھوں سے انجام دینا آپ ﷺ کا بھی معمول تھا اور اس میں کوئی عار محسوس نہ کرتے تھے

للتواضع و ترک الترفع لکنه مشرف بالوحی والنبوۃ و مکرم بالمعجزات والرسالة (مناوی ج ۲ ص ۱۸۵) (آپ ﷺ کا مذکورہ امور کو سر انجام دینا تو صرف تواضع اور ترک تکبر کے لئے تھا ورنہ آپ ﷺ کی ذات اقدس تو وحی خداوندی، نبوت، رسالت اور معجزات

سے مشرف و معزز بنائی گئی تھی جیسے کہ آیت انما بشر مثلکم یوحی الیّ۔ الآیۃ میں بھی اشارہ مقصود ہے (کہ میں تو تم جیسا انسان ہی ہوں (البتہ) میری طرف وحی کی گئی ہے) کما فی قوله تعالیٰ انما انا بشر مثلکم یوحی الیّ الآیۃ۔

کمال عزت و تکریم :

یفلی ثوبه...... حاشیہ شمائل میں ہے۔ لم یقع علیه ذباب قط و لم یکن القمل یوذیه تعظیماً و تکریماً لجسده' یعنی آنحضرت ﷺ کے وجود اطہر پر کبھی ہرگز نہیں بیٹھتی تھی اور نہ ہی جوں آپ ﷺ کے وجود اطہر میں ایذاء پہنچانے کے لئے پیدا ہوئی۔ یہ آپ ﷺ کی کمال عزت و تکریم ہے۔

علماء کی تحقیق :

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا فرماتے ہیں :

اور علماء کی تحقیق یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے بدن یا کپڑوں میں جوں نہیں پڑتی تھی۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ جوں بدن کے میل سے پیدا ہوتی ہے اور پسینہ سے بڑھتی ہے اور حضور اقدس ﷺ سراسر نور تھے۔ وہاں میل کچیل کہاں تھا۔ اسی طرح آپ ﷺ کا پسینہ سراسر گلاب تھا، جو خوشبو میں استعمال کیا جاتا تھا۔ بھلا عرق گلاب میں جوں کا کہاں گزر ہو سکتا ہے۔ اس لئے تلاش کرنے کا یہ مطلب ہے کہ اس احتمال سے کہ شاید کسی دوسرے کی جوں چڑھ گئی ہو تلاش فرماتے تھے۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ تلاش کرنا بھی دوسروں کی تعلیم کے لئے تھا کہ جب وہ حضور اکرم ﷺ کو اس کا اہتمام کرتے دیکھیں گے تو زیادہ اہتمام کریں گے۔ (خصائل)

==================================

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ خُلُقِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

باب ! حضورِ اقدس ﷺ کے اخلاق وعادات کے بیان میں

لفظِ خُلق کی تشریح :

خُلق ' عادت طبیعت اور خصلت کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع اخلاق ہے۔ وہ قوت جس سے بن سوچے اور بغیر فکر کے افعال بسہولت صادر ہوں۔ الخلق بضم الخاء واللام هو الطبع والسجیة وهو من الأوصاف الباطنیة قال الامام الغزالی ، الخلق ، هیئة للنفس تصدر عنها الافعال بسهولة فان کانت الهیئة جمیلة 'سمیت خلقا حسنا' والا سمیت خلقا سیئا ۔(اتحافات ص۳۶۹) (الخلق (خاء اور لام کے ضمہ کے ساتھ) اوصاف باطنیہ میں سے ایک وصف ہے اور بمعنی طبیعت اور خصلت کے ہے امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ خلق نفس کی ایک کیفیت اور حالت جس سے افعال کا صدور سہولت اور آسانی سے ہو اگر (افعال) کیفیت جمیلہ سے موصوف ہوں تو انہیں اخلاق حسنہ کا نام دیا جاتا ہے ورنہ پھر اخلاق سیئہ کہلاتے ہیں) وعن العسقلانی حسن الخلق تحصیل الفضائل و ترک الرذائل (جمع ج۲ ص۱۸۶)(امام عسقلانیؒ سے منقول ہے کہ حسن خلق یہ کہ اخلاق رذیلہ کو چھوڑ کر فضائل (بلند مرتبہ اخلاق) اختیار کر لینا)

حُسنِ اخلاق :

حضورِ اقدس ﷺ کے اخلاق بے مثال ہیں اور پورے عالم کے لئے اسوۂ حسنہ ہیں۔ آپ ﷺ کے اخلاق جمیلہ اور عادات شریفہ پوری دنیا میں ضرب المثل ہیں۔ قرآن پاک نے آپ ﷺ کے بلندیٔ اخلاق کی گواہی دی ہے۔ وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (القلم ۴)(اور بے شک آپ بہت بڑے (عمدہ) اخلاق پر ہیں) حضرت عائشہؓ

فرماتی ہیں ما کان احد احسن خلقا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما دعاہ احد من اصحابه و لا من اهل بیته الا قال لبیک (مناوی ج۲ ص۱۸۵)(نبی کریم سے زیادہ حسین اور اچھے اخلاق والا کوئی بھی نہیں تھا چنانچہ صحابہؓ یا اہل بیت (گھرانے کے افراد) میں سے کسی نے بھی آپ ﷺ کو اگر کبھی بلایا تو آپ ﷺ اس پر لبیک کہہ کر حاضر ہوئے) آپ ﷺ کے اخلاق حسنہ کا احاطہ اور احصاء دشوار ہے۔ علامہ الباجوریؒ فرماتے ہیں ' وعرفوا حسن الخلق بانه مخالطة الناس بالجمیل والبشر والتلطف و تحمل الاذی و الاشفاق علیهم و الحلم والصبر و ترک الترفع والاستطالة علیهم وتجنب الغلظة والغضب والمواخذة (مواہب ص۲۵۳) یعنی اختلاط باہمی کے دلکشا مظاہر و آداب کے ہمرکاب خندہ پیشانی اور بے پایاں لطف و مہربانی کے جلو میں دوسروں کی تکالیف برداشت کرنے نیز ان کے مصائب کی گرہ کشائی بردباری صبر وتحمل' پے در پے برتری کی نمو کا ترک، مروت واحسان کے مواقع پر درشتی اور سختی کی روش سے پہلو تہی' بدلہ لینے کا محاسبہ اور غصے سے اجتناب آپ ﷺ کے کردار اور اخلاق حسنہ کے ممتاز اور نمایاں جواہر ہیں۔ شمائل سارے آپ ﷺ کے اخلاق حسنہ ہیں۔ سیرت آپ کے اخلاق حسنہ ہیں۔

باب ہذا میں مصنفؒ بطور نمونہ کے چودہ حدیثیں نقل کر کے عمدہ اخلاق کی ایک جھلک دکھا رہے ہیں و هذه الترجمة لبعض اخلاق النبی و بعض سجایاه ' لا لجمیعها بدلیل ان التواضع مثلا من اخلاق النبی صلی اللہ علیه وسلم ' ومع ذلک فقد ذکر قبل (اتحافات ص۳۶۹)(جیسا کہ صاحب اتحافات بھی یہی کچھ لکھتے ہیں کہ یہ عنوان تو نبی علیہ السلام کے سب اخلاق کے تذکرے کے لئے نہیں بلکہ اس میں حضور ﷺ کے بعض اخلاق اور خصائل کا ذکر ہے مثلاً تواضع بھی آپ ﷺ کے اخلاق ہی کا جز ہے حالانکہ اس کا تذکرہ اس سے پہلے ہو چکا ہے)

(۳۲۹/۱) حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ مُحَمَّدٍ الدُّوْرِیُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ یَزِیْدَ الْمُقْرِیُّ

کے لئے آنا چاہتے' خواہ وہ دنیوی اُمور کا ہوتا یا اخروی اُمور کا' حتی کہ کھانے پینے کا تو آپ ﷺ ان کو اپنے نیک اور مبارک مشوروں سے سرفراز فرماتے۔

حضرت زیدؓ فرماتے ہیں، اگر ہم اپنی مجالس میں دنیا کی زندگی' اس کے لوازمات' بے ثباتی اور اس کی تنگی وخوشحالی کا تذکرہ کرتے' تو آپ ﷺ بھی اسی موضوع میں شریک ہو کر اپنے گرانقدر آراء اور مشوروں سے نوازتے اور جب آخرت' دوام حیات' وہاں کے انعامات اور سزاؤں کا ذکر کرتے تو اس موضوع میں بھی شریک گفتگو ہو جاتے اور اگر مجلس میں خورد و نوش کی اشیاء کا ذکر ہوتا تو اسی گفتگو میں بھی شریک ہو کر متعلقہ موضوع سے متعلق رہنمائی اور ہدایات سے سرفراز فرماتے۔

آخری جملہ کا مفہوم :

فکل هذا احدثکم .. شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ اس اخیر جملہ کا ترجمہ مشائخ درس کے نزدیک یہی ہے' جو لکھا گیا ہے، لیکن بندۂ ناچیز کے نزدیک شروح حدیث میں (حضور اقدس ﷺ کے کیا حالات سناؤں) کے ساتھ مترجم ہے اور ترجمہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کے ہر نوع کے حالات سنا سکتا ہوں۔ اس لئے جس قسم کے تذکرہ کی درخواست کرو، سناؤں کہ میں پڑوسی بھی تھا اور کاتب وحی بھی اور حضور اقدس ﷺ کے معمولات میں دین اور دنیا کھانا پینا' غرض ہر قسم کے تذکرے شامل تھے۔ اس لئے کیا سناؤں اور کونسا تذکرہ کروں کہ ہر تذکرہ عجیب تھا اور ہر حال لطیف ولذیذ۔

شیخ عبدالرؤفؒ اخیر جملہ فکل احدثکم کے متعلق تحریراً لکھتے ہیں۔ لتفقهوا فی الدین فترقوا الی درجات المقربین فافاده لزکد به الحدیث و یظهر نعمامه به و فیه جواز تحدیث الکبیر مع صحبه فی المباحات و بیان جواز مثل ذلک واجب علی المصطفٰی فلیس ذکر الدنیا والطعام فی هذا المقام خالیا عن فائدة علمیة و دینیة۔

(مناوی ج ۲ ص ۱۸۸) (یعنی یہ سب کچھ آپ ﷺ کے حالات اس لئے بیان کر رہا ہوں تا کہ تم لوگ دین کی تفقہ (سمجھ بوجھ) حاصل کریں تو پھر تم بھی مقربین بارگاہ الٰہی کے بلند مراتب و درجات کو پہنچ جاؤ گے۔ حضرت زیدؓ نے سابقہ جملہ کو حدیث کی تاکید اور اس

کے اہتمام کے اظہار کے لئے ہی دہرایا۔ نیز حدیث سے بزرگ ترین شخصیت کا اپنے ساتھیوں کے ساتھ مباح امور میں گفتگو کرنے کا جواز بھی معلوم ہوتا ہے اور ان جیسے امور کے جواز کا بیان آپ ﷺ کے لئے ایک حد تک ضروری بھی تھا تو گویا اس مقام میں دنیا اور کھانے پینے کے تذکرے علمی اور دینی فوائد سے ہرگز خالی نہیں)

(۳۳۷/۲) حدثنا إسحاق بن موسى حدثنا يونس بن بكير عن محمد بن إسحاق عن زياد بن أبي زياد عن محمد بن كعب القرظي عن عمرو بن العاص قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقبل بوجهه وحديثه على أشر القوم يتألفهم بذلك فكان يقبل بوجهه وحديثه علي حتى ظننت أني خير القوم فقلت يا رسول الله أنا خير أو أبو بكر فقال أبو بكر فقلت يا رسول الله أنا خير أم عمر فقال عمر فقلت يا رسول الله أنا خير أم عثمان فقال عثمان فلما سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم فصدقني فلوددت أني لم أكن سألته.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں اسحٰق بن موسیٰ نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے یونس بن بکیر نے محمد بن اسحٰق کے حوالہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت زیاد بن ابی زیاد سے اور انہوں نے محمد بن کعب قرظی سے نقل کی اور انہوں نے اسے عمرو بن العاصؓ سے روایت کیا۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ قوم کے بدترین شخص کی طرف بھی حضور اقدس ﷺ تالیفِ قلوب کے خیال سے اپنی توجہ اور اپنی خصوصی گفتگو مبذول فرماتے تھے۔ چنانچہ خود میری طرف بھی حضور اکرمؐ کی توجہات اور کلام کا رُخ بہت زیادہ رہتا تھا۔ حتیٰ کہ میں یہ سمجھنے لگا کہ میں قوم کا بہترین شخص ہوں اسی وجہ سے کہ حضور اکرم ﷺ سب سے زیادہ توجہ فرماتے ہیں۔ میں نے اسی خیال پر ایک دن دریافت فرمایا کہ حضور ﷺ! میں افضل ہوں یا ابوبکرؓ؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابوبکرؓ پھر میں نے پوچھا کہ میں افضل ہوں یا عمرؓ؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ عمرؓ پھر میں نے پوچھا کہ میں افضل ہوں یا عثمانؓ؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عثمانؓ۔ جب میں نے

حضور اکرم ﷺ سے تقریباً پوچھا تو حضور ﷺ نے بلا رعایت صحیح صحیح فرمادیا اور مجھے یہ خیال ہوا کہ مجھے ایسی بات ہرگز نہیں پوچھنی چاہیے تھی۔

راویان حدیث (۶۱۰) زیاد بن ابی زیاد ؒ (۶۱۱) محمد بن کعب القرظی ؒ اور (۶۱۲) عمرو بن العاص ؓ کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

کریمانہ اخلاق کی انتہاء :

یقبل بوجهه ...... حضور اقدس ﷺ بداخلاق، درشت خو اور معاشرے کے بدترین افراد سے بھی صد درجہ خندہ پیشانی، کشادہ روئی سے پیش آتے اور دوران گفتگو اپنا رُخ اُن کی طرف پھیر کر بھرپور توجہ سے گفتگو فرماتے اور رحمت و رأفت اور شفقت و محبت سے ان کے حال پر کرم فرماتے، توجہ فرماتے، محبت کرتے تاکہ ان کا دل نرم ہو اور حق قبول کرنے کی طرف مائل ہو۔ حضور اقدس ﷺ ایسے لوگوں کے ساتھ بھی تکبر، رعونت، استکبار اور بے اعتنائی روا نہیں رکھتے تھے، جب غیروں کے ساتھ آپ ﷺ کا یہ حلم تھا، یہ بردباری تھی اور اس قدر شفقت کریمانہ تھی، تو اپنوں کا تو کیا کہنا۔ چنانچہ حضرت عمرو بن العاص ؓ فرماتے ہیں، حتی ظننت انی خیر القوم من کثرة التفاته۔ (شرح ج۲ ص ۱۸۹)
یعنی وہ سمجھنے لگے کہ میرا مقام و مرتبہ گویا اب حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ سے بھی بڑھ گیا ہے۔

عمرو بن العاص ؓ کے سوال کا حقیقت پر مبنی جواب :

اس لئے سوال کر ڈالے جب حضور اقدس ﷺ نے انہیں جواب میں اُن حضرات کی افضلیت کا بتادیا اور یہ کہ یہ تینوں حضرات علی الترتیب مقام فضل و عظمت پر فائز تھے، جو خود سائل کو بھی معلوم تھے، جیسا کہ ان کے سوال سے مترشح ہوتا ہے اور جمہور صحابہؓ کو بھی معلوم تھے۔ چنانچہ احادیث میں اس کی تصریح آتی ہے کہ آپ ﷺ کے زمانہ میں صحابہ کرام سب سے زیادہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو پھر حضرت عمر ؓ کو افضل سمجھتے تھے۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں حضرت ابوبکر

صدیقؓ کے برابر کسی کو نہ سمجھتے تھے۔ ان کے بعد سب سے افضل حضرت عمرؓ کو، ان کے بعد حضرت عثمانؓ کو، پھر ان کے بعد اور صحابہ میں کچھ ترجیح نہ دیتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ ان تینوں حضرات کی اس ترتیب سے ترجیح اور افضلیت ایسی عیاں تھی کہ حضور اکرم ﷺ کی حیات ہی میں ہم صحابہ کی جماعت اس کو مانتے تھے۔ حضرت علیؓ کے صاحبزادے محمد نے اپنے والد یعنی حضرت علیؓ سے پوچھا کہ حضور اکرم ؐ کے بعد سب سے افضل شخص کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ حضرت ابوبکرؓ۔ میں نے پوچھا ان کے بعد، انہوں نے فرمایا عمرؓ، اسی طرح سے اور بہت سی روایات ہیں، جن سے حضور اکرم ؐ کے زمانے ہی سے یہ ترتیب معلوم ہوتی ہے۔ اسی لئے انہوں نے اپنے سے مقابلہ کے لئے اسی ترتیب سے سوال کیا کہ اوّل ان سے مقابلہ کیا، جو سب سے افضل شمار ہوتے تھے، پھر نمبر ۲ پھر نمبر ۳ سے کہ میں اگرچہ افضل ترین شخص سے نہیں بڑھ سکا تو شاید نمبر ۲ نمبر ۳ ہی سے بڑھ جاؤں۔ (خصائل)

عمرو بن العاص کی اپنے سوال پر ندامت :

فصدقنی ...... آپ ﷺ نے بلا رعایت اور میری مدارت کا لحاظ کئے بغیر سچ جواب مرحمت فرمایا۔ ای اجابنی بالصدق من غیر مراعاة و مداراة۔ (مواہب ص ۱۵۲) جو حقیقت تھی، وہ سچ سچ بیان فرمادی۔ بس پھر کیا تھا، خود حضرت عمرو بن العاصؓ نادم ہوئے۔ فلوددت انی لم یکن سئلته "کاش میں نے آپ ﷺ سے یہ بات نہ پوچھی ہوتی۔ شمائل کے حاشیہ میں ہے۔ هذه التمنية من السوال استحیاء من الخطاء الفاحش یعنی اظہار ندامت کا یہ کردار اس شرمندگی کی بناء پر ہوا کہ وہ یہ سوال کرکے صریح غلطی کے مرتکب ہوئے۔

علامہ حافظ زین العراقی نے حدیث مذکور کا خلاصہ نظم میں اسی طرح ذکر فرمایا :

یجالس الفقیر و المسکینا — و یکرم الکریم اذ یاتونا
لیس مواجها بشئی یکرهه — جلیسه بل بالرضاء یشافهه

(آپ ﷺ کی ہم نشینی (نشست و برخاست) فقیروں، مسکینوں سے ہوا کرتی اور جب معزز لوگ آپ ﷺ کے پاس آتے تو ان کی بھی عزت و تکریم فرماتے تھے آپ ﷺ کی ملاقات

کا انداز ایسا نہ ہوتا کہ اسے صاحبِ محفل ناپسند کرے بلکہ خوشی رضا آپ ﷺ کا اس سے ملنا جلنا ہوتا)

(۳۳۱/۳) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ الضُّبَعِيُّ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ خَدَمْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ سِنِينَ فَمَا قَالَ لِي أُفٍّ قَطُّ وَمَا قَالَ لِي لِشَيْءٍ صَنَعْتُهُ لِمَ صَنَعْتَهُ وَلَا لِشَيْءٍ تَرَكْتُهُ لِمَ تَرَكْتَهُ وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَحْسَنِ النَّاسِ خُلُقًا وَلَا مَسِسْتُ خَزًّا قَطُّ وَلَا حَرِيرًا قَطُّ وَلَا شَيْئًا كَانَ أَلْيَنَ مِنْ كَفِّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا شَمِمْتُ مِسْكًا قَطُّ وَلَا عِطْرًا كَانَ أَطْيَبَ مِنْ عَرَقِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبہ بن سعید نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو جعفر بن سلیمان ضبعی نے ثابت کے حوالے سے بیان کیا اور انہوں نے یہ روایت حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دس برس حضور اقدس ﷺ کی خدمت کی ہے مجھے کبھی کسی بات پر حضور اکرم ﷺ نے اُف تک بھی نہیں فرمایا، نہ کسی کام کے کرنے میں یہ فرمایا کہ کیوں کیا اور اسی طرح نہ کسی کام کے نہ کرنے پر یہ فرمایا کہ کیوں نہیں کیا۔ حضور اقدس ﷺ اخلاق میں تمام دنیا سے بہتر تھے (ایسے ہی خلقت کے اعتبار سے بھی حتی کہ) میں نے کبھی کوئی ریشمی کپڑا یا خالص ریشم یا کوئی اور نرم چیز ایسی نہیں چھوئی جو حضور اقدس ﷺ کی بابرکت ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو اور میں نے کبھی کسی قسم کا مشک یا کوئی عطر حضور اکرم ﷺ کے پسینہ کی خوشبو سے زیادہ خوشبودار نہیں سونگھا۔

حضرتِ انسؓ خدمتِ نبوی میں :

فقال خدمت رسول اللہ صلی اللہ...... حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ مجھے حضور اقدس ﷺ کی خدمت کا شرف دس سال تک حاصل رہا۔ عشر سنین کی تصریح ہے۔

بعض روایات میں تسع سنین کی تصریح ہے تو یہ کسر کے حذف اور شمار پر محمول ہوگا، جن روایات میں کسر کا حذف ہے۔ وہاں نو سال کی تصریح ہے اور جن میں کسر کو شمار کیا گیا ہے، وہاں دس سال کا ذکر آگیا ہے۔ اس قسم کے اطلاقات مجازی ہوتے ہیں۔

بعض روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت طلحہؓ سے فرمایا کہ کام کاج کے لئے کوئی لڑکا تلاش کر کے لاؤ۔ یہ کام حضرت طلحہؓ کے حوالے کیا گیا، جبکہ بعض دوسری روایات میں ہے کہ حضرت انسؓ کو خود ان کی والدہ لے آئیں اور بارگاہِ نبوت میں پیش فرمایا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں روایات درست ہیں اور ان میں کوئی منافات نہیں ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے حضرت طلحہؓ سے کہا کہ وہ لڑکا تلاش کر کے لائیں، وہ تلاش میں ہوں کہ اس دوران حضرت انسؓ کی والدہ خود انہیں لا کر حاضرِ خدمت ہوئی ہوں یا کسی سے سنا ہو کہ آپؐ کو خادم کی ضرورت ہے اور تلاش جاری ہے۔ تب لائی ہوں کہ اس سے بڑھ کر موقع سعادت اور کیا ہو سکتا ہے۔

ناگوار اُمور پر اُف تک نہ کہا :

فما قال لی اُف قط ' حضرت انسؓ بارگاہِ نبوت میں اپنی خدمت وصحبت کا دس سالہ مشاہدہ بیان فرماتے ہیں کہ گھر کے خادم ہونے کے ناطے دانستہ یا نادانستہ مجھ سے فروگذاشتیں بھی ہوتی ہوں گی کوتاہیاں تو لازمۂ بشریت ہیں، مگر آپ ﷺ کبھی ناراض نہ ہوئے اور کسی بھی ناگوار امر پر ہلکی سے ہلکی تنبیہ کرتے ہوئے اُف تک بھی نہیں کہا اور نہ کبھی یہ کہا یہ کام کیوں کیا اور نہ کبھی یہ کہا کہ یہ کام کیوں چھوڑا۔

شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ "اتباعِ سنت کا کامل نمونہ" :

اس موقع پر مجھے اپنے شیخ و مربی اپنے استاذ امیر المؤمنین فی الحدیث محدث کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق نور اللہ مرقدہٗ بے اختیار یاد آنے لگے۔ وہ ایک سچے عاشقِ رسول ﷺ تھے۔ اتباعِ سنت میں کامل تھے۔ مجھے دس سال کی خدمت، صحبت، قربت، سفر و حضر کی رفاقت کا موقع میسر آیا۔ حضرتؒ کے ساتھ علمی و دینی کام کئے۔ تدریسی

کام انتظامی امور حضرت کے شب و روز کے کاموں میں معاونت کے علاوہ سیاسی رفاقتیں بھی رہیں۔ حضرت کے حین حیات اُن کے حکم بلکہ ان کی موجودگی میں جمعہ عیدین تبلیغی و اصلاحی اجتماعات اور حضرت ہی کی جانب سے بعض بڑے بڑے سیاسی جلسوں میں تقریر و بیانات اور خطاب کے مواقع ملتے رہے، مگر قربان جاؤں حضرت شیخ کی ادا و انداز تربیت پر اس طویل عرصۂ خدمت و رفاقت میں حضرتؒ نے مجھے کبھی اُف تک نہ کہا' بلکہ تحریر و تقریر بیان و خطاب میں بھی نہ کبھی موضوع دیا، نہ عنوان، نہ مشورہ نہ نقد و جرح' نہ اعتراض بلکہ ہر موقع پر مسرت و خوشی کا اظہار فرماتے اور ڈھیروں دعاؤں سے نوازتے اور یہ کیوں نہ ہوتا کہ آپ ﷺ سے محبت تھی۔ سنت پر عمل ان کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔

ابو نعیم کی روایت :

بہر حال یہاں تو اسی قدر نقل ہے۔ وھذا الحدیث رواہ ابو نعیم عن انس ایضاً بلفظ خدمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشر سنین فما سبنی قط و ماضربنی ضربۃ ولا انتھرنی ولا عبس فی وجھی ولا امرنی بامر فتوانیت فیہ فعاتبنی علیہ فان عاتبنی احد قال دعوہ و لو قدر شئی کان۔ (مواہب ص ۱۵۲) (اور یہی حدیث ابو نعیم نے حضرت انسؓ سے ان الفاظ میں ذکر کی ہے کہ میں نے حضور ﷺ کی دس سال تک خدمت کی نہ تو کبھی مجھے آپ ﷺ نے برا بھلا کہا اور نہ کبھی مجھے معمولی طور پر مارا اور نہ مجھے ڈانٹا اور نہ میرے سامنے کوئی تیوری چڑھائی اور نہ مجھے کسی کام میں سستی کرنے پر جھڑکا۔ بلکہ اگر کوئی مجھے عتاب کرتا اور جھڑکتا تو فرماتے بھائی اس کو جانے دو، جو کچھ مقدر تھا وہ ہو کر رہتا ہے)

رضا بالقضاء :

حضرت انسؓ ہوں یا آپ ﷺ کے دیگر خدام و محبین اور صحابہ کرامؓ، آپ ﷺ کا ان کو اُف تک نہ کہنا یہ کمال اخلاص اور غایت تواضع کی بنا پر تھا۔ خدام کے افعال' کو تاہیوں اور اقوال و تقریبا کو ان کا اپنا فعل نہ سمجھتے' بلکہ سب کچھ من جانب اللہ تصور کرتے

تھے اور اسی پر راضی ہوتے تھے۔ فکان یشھد ان الفعل من اللہ ولا فعل لانس فی الحقیقۃ فلا فاعل الا اللہ و الخلق الٰۃ و سائط فالغضب علی المخلوق فی شئی فعلہ او ترکہ ینافی کمال التوحید کما ھو مقرر فی علمہ من وحدۃ الافعال۔ (مواہب ص ۱۵۲) (پس آپ ﷺ کی یہ شہادت ہوئی کہ یہ دراصل حضرت انس کا فعل نہیں ہوا کرتا بلکہ اللہ ہی کی ذات سب کچھ کرتی ہے تو درحقیقت ہر چیز کے فاعل (کرنے والے) اللہ ہی ہیں اور ساری مخلوق صرف وسائط اور ذرائع کے درجہ میں ہے پس مخلوق پر غیظ و غضب کسی ایسے امور میں کہ اس نے ہی اسے کیا ہے یا چھوڑا ہے یہ کمال توحید کے منافی ہوا جیسا کہ علم خداوندی میں افعال کی وحدت مقرر اور ثابت شدہ ہے) جیسا کہ اوپر ابو نعیم کی روایت میں تصریح ہے، ولو قدر شئی کان کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے مقدر میں ہوتا تو ہو جاتا۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے یہاں پر رضا بالقضاء کا دلچسپ مضمون لکھا ہے :

یہ محبوب کے فعل کے ساتھ غلبۂ لذت ہے، اور صوفیہ کی اصطلاح میں رضا بر قضا کی اصل اور سند ہے۔ رابعہ بصریہؒ کا مشہور مقولہ ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے اللہ! اگر تو میرے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر ڈالے تو تیری محبت میں اس سے کچھ اضافہ ہی ہوگا اور کاملین صوفیہ کے تمام ہی حالات حضور اقدس ﷺ ہی کے مختلف احوال سے اخذ کیے گئے ہیں، لیکن نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس جامعیت کے کمال پر تھی۔ بعد میں جامعیت کا یہ درجہ نہیں رہ سکا۔ اس لئے حضرات صوفیہ کرام میں کسی جگہ حضور ﷺ کی کسی عادت کا ظہور ہوا اور کسی جگہ کسی دوسری حالت کا شیوع ہوا۔ یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا یہ معاملہ اپنی ذات کے متعلق تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنی ذات کے لئے کبھی بھی انتقام نہیں لیا۔ البتہ اللہ جل شانہٗ کی کسی حرمت کی ہتک کی جائے (مثلاً کسی حرام چیز کا ارتکاب کیا جائے) تو اس کا بدلہ ضرور لیتے تھے۔ (خصائل ص ۳۰۴)

و ذکر الشیخ ابراھیم البیجوری ما قال لی لشئی صنعتہ لم صنعتہ ولا لشئی

ترکه لم ترکه ای لشدة وثوقه ویقینه بالقضاء والقدر وللتک زاد فی روایة ولکن یقول قدر اللّٰه وماشاء فعل ولو قدر اللّٰه کان ولو قضی لکان ۔ (مواہب ص۱۵۱) (شیخ ابراہیم الباجوریؒ نے ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ کے خادم حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جب کبھی کوئی کام کیا ہے تو آپؐ نے مجھے یہ نہیں کہا کہ یہ کیوں کیا ہے اور نہ جب میں نے کوئی کام چھوڑ دیا ہو اور آپ ﷺ نے فرمایا ہو کہ یہ کیوں چھوڑ دیا (یہ اس لئے) کہ آپ ﷺ قضا وقدر پر پورا یقین اور مکمل اعتماد رکھتے تھے۔ اسی لئے تو ایک روایت میں یہ زیادتی ہے کہ آپ ﷺ یہ فرمایا کرتے کہ جو اللہ نے مقدر کیا اور وہ جو بھی چاہتا ہے کرتا ہے (یا یہ فرماتے) کہ جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، جو قضا وقدر میں مقدر ہو ویسے ہی ہو جاتا ہے)

سیرت وسوانح کا ایک عظیم باب :

حضرت انسؓ کے چند جملے حضور اقدس ﷺ کی سیرت وسوانح کا ایک عظیم باب ہیں۔ آپ کے کریمانہ اخلاق، صبر، حسن معاشرت، حلم وعلم، تحمل وبردباری، عفو، چشم پوشی و تسامح، زبان کی عفت وعصمت، خدام پر شفقت وتالیف قلوب اور دعیہ، رحمت وعنایت کی ایک خوبصورت منظر کشی ہے۔ علامہ بیجوریؒ اسی بات کا اپنے الفاظ میں تذکرہ کر رہے ہیں۔

وفی ذلک بیان کمال عقله وصبره وحسن عشرته وعظیم حلمه وصفحه وترک العتاب علی مافات وصون اللسان عن الزجر والذم للمعترفات وتالیف خاطر الخادم بترک معاتبته علی کلا الحالات وهذا کله فی الامور المتعلقة بحظ الانسان ۔ (مواہب ص۱۵۲)

حضرت انسؓ کی عظمت ومقام :

نیز اس سے حضرت انسؓ کی فضیلت وعظمت، خدمت واطاعت اور کامل محبت کا بھی اندازہ لگ جاتا ہے کہ وہ مکمل دس سال تک آپ ﷺ کی خدمت میں رہ کر کسی بھی خلاف شرع امر کے مرتکب نہیں ہوئے، کیونکہ خلاف شرع کام پر آپ ﷺ کا سکوت

ممکن ہی نہ تھا۔ اس لئے کہ آپ ﷺ غیر شرعی امور کے ارتکاب میں تسامح نہیں فرماتے بلکہ (آپ ﷺ کی عادت مستمرہ تھی) کہ جب بھی اللہ تعالیٰ کے محارم (ممنوعات) کی بے حرمتی کی جاتی تو آپ ﷺ کا غیظ وغضب بڑھ جاتا تھا۔ چنانچہ علامہ بیجوریؒ اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ فلا یتسامح فیه لانه اذا انتهک شیء من محارم اللّٰه اشتد غضبه وهذا یقتضی ان انسا لم ینتهک شیئا من محارم اللّٰه ولم یرتکب ما یوجب اللوم المخالفة شرعا فی مدة خدمته له صلی اللّٰه علیه وسلم ففی ذلک منقبة عظیمة له وفضیلة تامة ۔ (مواہب ص۱۵۲)

اخلاق حمیدہ :

وکان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم من احسن الناس خلقا۔ حضور اقدس ﷺ اخلاق کے لحاظ سے تمام لوگوں سے احسن وافضل تھے۔ اس سے قبل آپ ﷺ کے ایسے اخلاق حمیدہ کا بیان تھا، جو حضرت انسؓ سے متعلق تھا۔ یہاں آپ ﷺ کے ان اخلاق حسنہ کا بیان ہے جو عام لوگوں کے ساتھ تھے۔ گویا یہ تعمیم بعد تخصیص ہے۔ هذا شامل مع عموم الناس لا مع خصوص انس قال تعالیٰ وانک لعلیٰ خلق عظیم وقال ! لو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولک (مواہب ص۱۵۲) (حضور ﷺ کے ایسے حسن اخلاق کا یہ برتاؤ صرف حضرت انسؓ کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ آپ ﷺ تو عام لوگوں کے ساتھ برتاؤ میں حسن اخلاق کے پیکر تھے اللہ تعالیٰ نے وانک لعلیٰ خلق عظیم (اور تمہارے اخلاق بڑے (عالی) ہیں) میں عالی اخلاق پر ہونے کی سند عطا فرمائی اور فرمایا کہ "اگر تم بدخو اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے)

جب مہر نمایاں ہوا سب چھپ گئے تارے
تو مجھ کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا

مبارک ہاتھوں کی ملائمت :

ولا مسست خزا...... یعنی حضور اقدس ﷺ بلند ی اخلاق اور عظمت خلق

کی طرح اپنی خلقت میں بھی انتہائی لطیف اور حسین وجود رکھتے تھے۔ یہ الفاظ اس سے ماقبل بیان کردہ روایت شثن الکفین (ای غلیظهما) کے منافی نہیں ہے۔ لان المراد انه کان ناعما غلیظ اللحم والعظم فاجتمع له نعومة البدن و قوته (مناوی ج۲ ص۲۱۲) (اس لئے کہ ان (دونوں روایات کا حاصل)

اور مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کا بدن مبارک نرم و ملائم ہونے کے ساتھ (ہڈی اور جوڑوں کی حیثیت سے) انتہائی مضبوط اور طاقتور تھا۔ تو گویا آپ ﷺ میں بدن اور اعضاء کی قوت کے ساتھ ان کے ملائم ہونے کی کیفیت جمع تھی)

حدیث مسلسل بالمصافحہ :

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا تحریر فرماتے ہیں :

اس حدیث کے اخیر جزء کے متعلق ایک عجیب قصہ ہے، جس سے حضرات صحابہ کرام اور محدثین رضی اللہ عنہم اجمعین کی حضور اکرم ﷺ کے ساتھ غایت محبت اور عشق کا پتہ چلتا ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت انسؓ ایک مرتبہ غایت فرحت ولذت کے ساتھ کہنے لگے کہ میں نے اپنے ان ہاتھوں سے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ مصافحہ کیا۔

میں نے کبھی کسی قسم کا حریر یا ریشم حضور اکرم ﷺ کے ہاتھوں سے زیادہ نرم نہیں دیکھا۔ شاگرد نے جس کے سامنے یہ حدیث بیان کی، اسی شوق سے عرض کیا کہ میں بھی ان ہاتھوں سے مصافحہ کرنا چاہتا ہوں، جن ہاتھوں نے حضور ﷺ سے مصافحہ کیا۔

اس کے بعد سے یہ سلسلہ ایسا جاری ہوا کہ آج ساڑھے تیرہ سو برس سے زیادہ تک یہ سلسلہ جاری ہے اور مصافحہ کی حدیث سے یہ مشہور ہے کہ اس حدیث میں مسلسل مصافحہ ہوتا آیا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اپنے رسالہ مسلسلات میں بھی اس کو ذکر کیا ہے، جس کے ذریعے سے میرے استاذ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ تک بھی اسی طرح پہنچی۔ (خصائل ص ۲۰۵)

وجودِ مسعود کی مبارک خوشبو :

و لا شممت مسکاً قط ...... تھی یہ خوشبو آپ ﷺ کے وجود مبارک کی اپنی خوشبو تھی، کسی عطر یا مشک وغیرہ کی خوشبو نہیں تھے۔ اسحٰق بن راہویہ فرماتے ہیں " إِنَّ تِلْكَ كَانَتْ رَائِحَتَهُ بِلَا طِيبٍ کہ یہ خوشبو بدون خوشبو لگائے ہوئے کے تھی۔ گویا خود آپ ﷺ کے وجود اقدس و مطہر ہی کی تھی نہ کہ اس پر لگائی ہوئی۔ ریحه الطبعیة لا المکتسبة (مناوی ج ۲ ص ۱۳۱) آنحضور ﷺ کا وجود مبارک طیب و مطیب تھا، جس راستے سے آپ ﷺ گزرتے تھے، صحابہ کرامؓ آنجناب ﷺ کی خوشبو پا کر اسی راستے پر جاتے اور آپ ﷺ کو پالیتے۔ رئیس المحدثین امام بخاری تاریخ کبیر میں حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جس راستے پر سے گزرتے اور کوئی شخص آنجناب ﷺ کو تلاش کرتا تو وہ خوشبو سے پہچان لیتا کہ آپ ﷺ اس راستے سے تشریف لے گئے ہیں۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں : کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا مرّ فی طریق من طرق المدینة و جدوا منه رائحة الطیب و قالوا مر رسول الله صلی الله علیه وسلم من هذا الطریق (اخرج البزار و ابو یعلی) حضور سید دوعالم ﷺ جب مدینہ منورہ کے بازاروں میں سے کسی بازار میں تشریف لے جاتے تو صحابہؓ آپ ﷺ کی خوشبو پا کر اسی راستے سے آپ ﷺ کو پالیتے اور کہتے کہ حضور ﷺ اسی راستے سے گزرے ہیں

ایک بار حضور اقدس ﷺ حضرت انسؓ کے گھر آرام فرما رہے تھے کہ حضور ﷺ کو پسینہ آیا فجاءت امه بقارورة تجمع فیها عرقه فسالها رسول الله صلی الله علیه وسلم عن ذلک فقالت نجعله فی طیبنا و هو اطیب الطیب۔ تو حضرت انسؓ کی والدہ ماجدہ ایک شیشی لائیں اور اس میں حضور ﷺ کا پسینہ مبارک جمع کرنے لگ گئیں۔ آنحضور ﷺ نے اس پسینہ کے جمع کرنے کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب میں عرض کیا ہم اس کو اپنی خوشبو میں ملا دیں گے اور یہ پسینہ مبارک اعلیٰ درجے کی خوشبو ہے

اور ایک روایت میں یہ بھی ہے۔ قالت یا رسول اللہ نرجو برکته لصبیاننا قال اصبت وروی البخاری نحوہ کہ ام سلیمؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم تو یہی امید رکھتے ہیں کہ ہمارے بچے اس سے بابرکت ہو جائیں گے۔ شفیق اُمت مومنوں پر رؤف و رحیم پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا اے ام سلیم! تو نے سچ کہا ۔

صاحب مرقاۃ فرماتے ہیں: وفیه استحباب التبرک والتقرب بآثار الصالحین قیل لما حضر انس بن مالک الوفاة اوصی ان یجعل فی حنوطه من ذلک الطیب یعنی اس سے ثابت ہوا کہ اولیائے کرام کی نشانیوں کا تقرب اور تبرک حاصل کرنا مستحب ہے، کہا گیا ہے کہ حضرت انس بن مالکؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے وصیت کی کہ اس خوشبو سے مجھے خوشبو لگائی جائے ۔

حضور اقدس ﷺ اگر کسی سے مصافحہ کرتے تو تمام دن اس شخص کو اپنے ہاتھ سے حضور ﷺ کے دست ہائے مبارک کو چھونے کی بدولت خوشبو آتی رہتی اور اگر کسی بچے کے سر پر ہاتھ پھیر دیتے تو وہ بچہ اس خوشبو کی وجہ سے دوسروں بچوں میں پہچانا جاتا۔ جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے :

قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوۃ الاولی ثم خرج الی اھله و خرجت معه فاستقبله ولدان فجعل یمسح خدی احدھم واحداً واحداً واما انا فمسح خدی فوجدت لیده برداً وریحاً کانما اخرجها من جونة عطار (رواہ مسلم) وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ظہر کی نماز حضور اقدس ﷺ کے ساتھ ادا کی۔ حضور ﷺ اپنے گھر تشریف لے جانے کے لئے مسجد سے نکلے۔ میں بھی آنحضور کے ساتھ چل پڑا۔ بچے جو آپ ﷺ کے سامنے سے آتے تو ہر ایک کے رخسار پر دست شفقت پھیرتے، جب میری باری آئی تو میرے دونوں رخساروں پر اپنا ہاتھ مبارک پھیرا۔ میں نے حضور اقدس ﷺ کے دست مبارک کی ٹھنڈک کو پایا اور خوشبو بھی پائی۔ وہ خوشبو ایسی تھی گویا کہ ابھی کسی عطر فروش کے ڈبیہ سے نکلی ہے ۔

ایک حدیث شریف میں ہے: عن ابی هریرة قال جاء رجل الی النبی صلی

اللہ علیہ وسلم فقال انی زوجت ابنتی و احب ان تعیننی قال ما عندی شئ ولکن ائتنی بقارورة واسعة الراس و عود شجرة فجعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسلت العرق من ذراعیه حتی امتلئت القارورة قال خذها وامر بنتک ان تغمس هذا العود فی القارورة و تطیب به فکانت اذا تطیبت یشم اهل المدینة رائحة الطیب فسموا بیت المطیبین ۔ (اخرج ابو یعلی والطبرانی فی الاوسط و ابن عساکر)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں اپنی بیٹی کی شادی کرنا چاہتا ہوں اور میری خواہش ہے کہ آنجناب ﷺ بھی میری امداد فرمادیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا میرے پاس تو اس وقت کچھ نہیں، مگر ہاں ایک کھلے منہ والی بوتل لاؤ وہ لے آیا تو حضور ﷺ نے اپنے بازوؤں مبارک سے پسینہ مبارک لے کر اس شیشی میں ڈالا اور فرمایا یہ لے جاؤ اور اپنی لڑکی سے کہہ دے کہ اس شیشی سے پسینہ مبارک لے کر بطور خوشبو استعمال کرے۔ چنانچہ جب بھی وہ اس پسینہ مبارک کو بطور خوشبو استعمال کرتی تو تمام مدینہ منورہ اس خوشبو سے مہک جاتا۔ اسی وجہ سے اس گھر کا نام ہی خوشبو لگانے والوں کا گھر پڑ گیا ۔

ابراہیم بن اسماعیل حربیؒ نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے :

اردفنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فالتقمت خاتم النبوۃ بفمی فکان ینم علی مسکا ۔ یہ کہ حضور ﷺ نے مجھے سواری پر اپنے پیچھے بٹھالیا۔ میں نے حضور اکرم ﷺ کی مہر نبوت کو اپنے منہ کے اندر لے لیا تو اس سے مشک کی مہک اور لپٹ آرہی تھی

(۲۲۲/۶) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَ أَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ وَالْمَعْنَى وَاحِدٌ قَالَا حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ سَلْمٍ الْعَلَوِيِّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ عِنْدَهُ رَجُلٌ بِهِ أَثَرُ صُفْرَةٍ قَالَ وَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَكَادُ يُوَاجِهُ أَحَدًا بِشَيْءٍ يَكْرَهُهُ فَلَمَّا قَامَ قَالَ لِلْقَوْمِ لَوْ قُلْتُمْ لَهُ

يَدَعُ هٰذِهِ الصُّفْرَةَ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبہ بن سعید اور احمد بن عبدۃ ضبی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہم کو اسے حماد بن زید نے سلم علوی کے حوالے سے بیان کیا اور انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے پاس ایک شخص بیٹھا تھا، جس پر زرد رنگ کا کپڑا تھا۔ حضور اکرم ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ نا گوار بات کو منہ در منہ منع نہ فرماتے تھے۔ اس لئے سکوت فرمایا اور جب وہ شخص چلا گیا تو حضور اکرم ﷺ نے حاضرین سے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اس کو زرد کپڑے سے منع کر دیتے تو اچھا ہوتا۔

راوی حدیث (۳۴۳) سلم العلوی " کے حالات " تذکرہ راویان شمائل ترمذی " میں ملاحظہ فرمائیں۔

بہ اثر صفرۃ ...... یعنی اس کے کپڑوں پر زرد رنگ کا نشان تھا۔ اس کے کپڑوں پر ایک قسم کی خوشبو لگی ہوئی تھی، جس میں زرد زعفران کا اثر تھا اور یہ خوشبو عموماً زفاف کے موقع پر استعمال ہوتی ہے۔ ارشاد ہے کہ تم لوگوں کو چاہئے تھا کہ اسے کہتے کہ زردی لگانا چھوڑ دے۔

یعنی حضور ﷺ نے اس وقت موجود صحابہؓ کو ارشاد فرمایا کہ کیا ہی بہتر ہوتا اور اچھا ہوتا کہ تم لوگ اس کو زعفرانی خوشبو کے استعمال کرنے سے منع کر دیتے۔ ولو هنا شرطية أو للتمني - والظاهر ان هذا الرجل كان ممن يخشى منه مخالفة النبي صلى الله عليه و سلم فلو عرض الى احد الصحابة ان يكلموه (المناوی ص ۲۲۸) (اور یہاں لفظ لو شرطیہ ہے یا پھر تمنی کے لئے استعمال ہوا اور حدیث کے مفہوم سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس شخص سے نبی کریم ﷺ کو اپنی مخالفت کا خوف محسوس تھا تو اپنے صحابہؓ میں سے کسی کو اشارۃً فرمایا کہ اس سے اس سلسلہ میں (زعفرانی خوشبو کے استعمال سے منع کرنے میں) گفتگو کریں)

ترک مواجہت میں بھی مصلحت تھی :

لایکاد یواجہ ..... حضور ﷺ نے اس کی موجودگی میں کچھ نہیں فرمایا اور اس کے جانے کے بعد یہ تنبیہ کی۔ اس میں بھی ایک حکمت اور مصلحت تھی۔ علامہ مناویؒ فرماتے ہیں و لان مواجهته بما تقتضي في المنكر لان من يكره عمره و يأبى امتثاله عناداً او رغبة عنه يكفر و فيه مخافة نزول العذاب والبلاء ...... ففي ترك المواجهة مصلحة۔ (مناوی ج ۲ ص ۲۲۲) (اس لئے کہ اس کو منہ در منہ بات کرنے سے کبھی کفر تک پہنچ جانے کی نوبت ہو سکتی ہے اس لئے کہ آپ ﷺ کے فرمان مبارک سے ناپسندیدگی کا اظہار اور آپ ﷺ کے حکم کو ضد اور ہٹ دھرمی سے نہ ماننا اور اس سے روگردانی کرنا کفر ہی تو ہے اور اس صورت میں عذاب خداوندی اور مصائب کے نازل ہو جانے کا قوی خطرہ موجود تھا تو اس لئے ترک مواجہت (آمنے سامنے کچھ نہ کہنے) میں بڑی مصلحت پوشیدہ تھی)

سرور دو عالم ﷺ کا اس مجلس میں اس شخص کو بسبب شفقت و حیا کی وجہ سے منع نہ فرمانا۔ یہ اس بات پر بھی دلیل ہے کہ اس قسم کی خوشبو لگانا حرام نہیں ہے، ورنہ حرام کام کرنے کو حضور سرور عالم ﷺ کسی وقت بھی برداشت نہیں فرماتے تھے اور اگر کوئی شخص بھی کسی غیر شرعی کام کو کرتا اور آپ ﷺ دیکھ لیتے تو اس وقت آپ ﷺ کا مزاج شریف غصے کے عالم میں بدل جاتا اور پھر صحابہ کرام اس کیفیت کو دیکھ کر کانپ اٹھتے۔

یعنی شیخ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ظاہر ہو رہا ہے کہ اس خوشبو کا استعمال حرام نہیں تھا، اگر حرام ہوتا تو حضور ﷺ اس شخص کے مجلس سے اٹھ جانے تک کا انتظار نہ فرماتے اور اس کو اس خوشبو کے استعمال کے ترک کرنے کا حکم فرماتے۔

---

(۳۴۴) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ اَبِي اِسْحٰقَ عَنْ اَبِي عَبْدِ اللّٰهِ الْجَدَلِيِّ وَاسْمُهُ عَبْدُ بْنُ عَبْدٍ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاحِشًا وَّلَا مُتَفَحِّشًا وَّلَا صَخَّابًا فِي الْاَسْوَاقِ وَلَا يَجْزِيْ بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ وَلٰكِنْ يَّعْفُوْ وَيَصْفَحُ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے محمد بن جعفر نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے شعبہ نے ابی اسحٰق کے حوالے سے بیان کیا اور انہوں نے اسے ابو عبداللہ جدلی جس کا نام عبد بن عبد تھا سے روایت کیا اور انہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے نقل کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نہ تو طبعاً فحش گو تھے، نہ تکلف فحش بات فرماتے تھے نہ بازاروں میں چلا کر (خلاف وقار) باتیں کرتے تھے۔ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے، بلکہ معاف فرما دیتے تھے اور اس کا تذکرہ بھی نہ فرماتے تھے۔

راوی حدیث (۲۱۳) ابی عبداللہ الجدلی" کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں

فاحشاً و متفحشاً کی تشریح :

فاحشاً: جس کے اقوال افعال اعمال صفات میں قباحت، بدخلقی اور بخیلی ہو و مستعملہ فی القول اکثر (مناوی ج ۲ ص ۱۹۲) (اور اس کا استعمال قول کی قباحت میں زیادہ ہے متفحشا جو خواہ مخواہ فحش گو بنے کی بد ہی مجلس بنائے" ای متکلفاً للفحش فی ذلک (مناوی ج ۲ ص ۱۹۲) بعض آدمی طبعاً فحش اور بے ہودہ مذاق کے عادی ہوتے ہیں اور بعض لوگ بہ تکلف مجلس کے طرز کو بنانے کے لئے فحش گوئی کرتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے دونوں کی نفی کر دی۔ بازار میں بھی بہ ضرورت جانے کی ممانعت نہیں، مگر وہاں جا کر شور شغب وقار کے خلاف ہے۔

ملا علی قاریؒ کا ارشاد :

علامہ ملا علی قاریؒ نے بھی یہی لکھا ہے کہ والمراد بالفاحش فی الحدیث ذوا لفحش فی کلامہ و فعلہ والمتفحش متکلف الفحش و بتعمدہ فنفت عنہ صلی اللہ علیہ وسلم الفحش و المتفحش بہ طبعاً و تکلفاً (جمع ج ۲ ص ۱۹۲) یعنی اس حدیث میں غیر اخلاقی انداز تکلم اختیار کرنے والے کو خواہ وہ طبعاً ہو یا تکلفاً فحش گو کہا گیا ہے اور

متفحش سے بہ تکلف فحش کہنا اور دیدہ دانستہ اس پر عمل پیرا ہونا مراد ہے، چنانچہ حضور اقدس ﷺ سے ام المؤمنینؓ نے فحش اور متفحش ہونے کی نفی فرما دی۔ گویا آپ ﷺ نہ طبعاً اور نہ ہی تکلفاً فحش گو تھے۔

شور و شغب سے مکمل اجتناب :

ولا صخاباً فی الاسواق ...... صخاب شور مچانے اور غل غپاڑہ کرنے والے کو کہتے ہیں۔ یعنی بازاروں میں چیختے چلاتے نہ پھرتے تھے، بلکہ پہلی آسمانی کتابوں میں بھی آنحضور ﷺ کی تعریف و توصیف کے موقع پر یہ صفت بھی بیان کی گئی ہے۔ کعب احبار نے کہا کہ: فی التوراة محمد عبدی لیس بفظ ولا غلیظ ولا صخوب فی الاسواق توراۃ میں ہے محمد ﷺ میرا بندہ ہے، اکھڑ اور سخت مزاج نہیں ہے، نہ بازار میں چلانے والا اور نہ ہی شور کرنے والا۔

وسائل الوصول میں علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی" ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے روایت نقل کرتے ہیں: نبی علیہ السلام کبھی کوئی ناشائستہ اور نازیبا بات نہیں کرتے تھے۔ بازاروں میں اونچی آواز سے بات نہیں کرتے تھے۔ کوئی آپ ﷺ کے ساتھ برائی کرتا تو اس کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے۔ اسے معاف کر دیتے تھے۔ توراۃ میں خدا نے آپ ﷺ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔ نہ بری شکل والا، نہ سخت مزاج ہے اور نہ بازاروں میں اونچی آواز سے بولتا ہے برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتا، لوگوں کو معاف کر دیتا ہے، اس کی جائے پیدائش مکہ مکرمہ ہے۔ طابہ (مدینہ منورہ) میں ہجرت کرے گا وہ (ﷺ) اور اس کے ساتھی (رضوان اللہ علیہم اجمعین) تہبند باندھتے ہوں گے اور وضو کرتے ہوں گے (وسائل الوصول)

برائی کے بدلے برائی نہ کرتے :

ولا یجزی بالسیئة ...... یعنی اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے تھے، لیکن درگذر فرماتے اور اعراض فرماتے یعنی اگر آنحضور ﷺ کے ساتھ کوئی شخص بداخلاقی،

برائی اور بدی سے پیش آتا تو حضور اقدس رحمۃ للعالمین ﷺ اپنے انتہائی کریمانہ اور بزرگانہ اخلاق سے بخش دیتے اور معاف فرما دیتے۔ حضور پاک شفیق امت رسول کریم ﷺ کی سیرت طیبہ ہزارہا ایسے واقعات سے بھری ہوئی ہے۔ صاحب روض نظیف فرماتے ہیں: يَعْفُوْ وَيَصْفَحُ عَنْ جَانٍ جَنٰى تَكَرُّمًا وَيَقْبَلُ الْعُذْرَ عَمَّنْ جَاءَ يَعْتَذِرُ...... یعنی آپ ﷺ اپنے کرم سے ہر خطاوار کی خطا کو معاف فرما دیتے اور درگذر فرماتے اور جو کوئی عذر کرتا ہوا آتا آپ ﷺ اس کا عذر قبول فرماتے۔

عفو و درگذر :

و لکن یعفو و یصفح : عفو کے معنی ترک عقوبۃ المذنب (مجرم کی سزا کو ترک اور معاف کر دینا) اور صفح کا معنی الاعراض عن تثریب المذنب (مجرم کے جرم و قصور سے اعراض اور روگردانی کرنا) کے ہیں۔ والمراد یعفو بباطنہ و یصفح ای یعرض بظاہرہ...... و ذلک منہ طبعاً و امتثالاً لقولہ سبحانہ و تعالٰی فاعف عنہم واصفح و حسبک عفوہ و صفحہ من اعدائہ الذین حاربوہ و بلغوا الی بالغۃ حتی کسروا رباعیتہ و شجوا وجہہ وما من حلیم الا و قد عرف لہ زلۃ او ہفوۃ تخدش فی کمال حلمہ الا المصطفٰی فانہ لا یزیدہ شدۃ الایذاء لہ والجہل علیہ الا عفواً و صفحاً (مناوی ج۲ ص۱۹۲)(یا یعفو و یصفح کا مطلب یہ کہ آپ ﷺ اندرونی طور پر معاف کر دیتے اور ظاہری طور اعراض اور چشم پوشی کا معاملہ فرمایا کرتے اور یہ صورتحال آپ ﷺ سے طبعاً اور بطور امتثال اللہ تعالٰی کے اس ارشاد مبارک کے کہ اے حضور! آپ ﷺ ان لوگوں سے صلح اور درگذر فرمایئے۔ آپ ﷺ کے عفو و درگذر فرمانے کے حالات و واقعات کے سلسلہ میں یہی کافی و شافی ہے کہ آپ ﷺ نے تو ان دشمنوں سے بھی عفو اور درگذر کرنے کا معاملہ فرمایا۔ جنہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ جنگ و جدل ایذارسانی اور ظلم ڈھانے میں اس حد تک گئے کہ آپ کا چہرہ مبارک زخمی ہوا اور اگلے دانت بھی توڑ دیے۔ دنیا میں کوئی بردبار اور حلیم ایسا نہیں کہ اس کی لغزشیں اور ہفوات اس کے حلم و بردباری کے کمال کو مخدوش نہ کریں صرف محمد ﷺ کی ذات اقدس ہی ہے اس پر ایذا اور جہالت کی زیادتی

اس کے تحمل عفو و درگذر فرمانے کی زیادتی کا سبب بن جاتے ہیں)

بُرائی کا بدلہ بھلائی سے دینے کے متعلق حضور اکرم ﷺ کی ساری سوانح بھری ہوئی ہے کہ کفار سے کیا کیا اذیتیں نہیں پہنچیں۔ اُحد کی لڑائی میں حضور ﷺ کے ساتھ کیا پیش نہیں آیا اور جب صحابہؓ نے ان حالات سے متاثر ہو کر حضور ﷺ سے بددعا کی درخواست کی تو حضور ﷺ نے دعا کی اے اللہ! میری قوم کو ہدایت فرما کہ یہ ناواقف ہیں۔ زید بن سعنہ پہلے یہودی تھے۔ ایک مرتبہ کہنے لگے کہ نبوت کی علامتوں میں سے کوئی بھی ایسی نہیں رہی جس کو میں نے حضور ﷺ سے دیکھ لیا ہو۔ بجز دو علامتوں کے جن کے تجربہ کی اب تک نوبت نہیں آئی۔ ایک یہ کہ آپ ﷺ کا حلم آپ ﷺ کے غصہ پر غالب ہوگا۔ دوسری یہ کہ آپ ﷺ کے ساتھ کوئی جتنا بھی جہالت کا برتاؤ کرے گا۔ اسی قدر آپ کا تحمل زیادہ ہوگا۔ میں ان دونوں کے امتحان کا موقع تلاش کرتا رہا اور آمد و رفت بڑھاتا رہا۔ ایک بار آپ ﷺ حجرہ سے باہر تشریف لائے۔ حضرت علیؓ آپ کے ساتھ تھے کہ ایک بدوی شخص آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میری قوم مسلمان ہو چکی ہے اور میں نے ان سے یہ کہا تھا کہ مسلمان ہو جاؤ گے تو بھرپور رزق تم کو ملے گا اور اب حالت یہ ہے کہ قحط پڑ گیا ہے۔ مجھے یہ ڈر ہے کہ وہ اسلام سے نہ نکل جائیں۔ اگر رائے مبارک ہو تو آپ کچھ اعانت ان کی فرمائیں۔ حضور ﷺ نے ایک شخص کی طرف جو غالباً حضرت علیؓ تھے دیکھا تو انہوں نے عرض کیا کہ حضور ﷺ! موجود تو کچھ نہیں رہا۔ زیدؓ جو اس وقت یہودی تھے، اس منظر کو دیکھ رہے تھے کہنے لگے کہ محمد ﷺ اگر آپ ایسا کر سکیں کہ فلاں شخص کے باغ کی اتنی کھجوریں وقت معین پر مجھے دیدو تو میں قیمت پیشگی اب دیدوں اور وقت معین پر کھجوریں لے لوں گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ تو نہیں ہو سکتا ہے۔ البتہ اگر باغ کی تعیین نہ کرو تو میں معاملہ کر سکتا ہوں۔ میں نے اس کو قبول کر لیا اور میں نے کھجوروں کی قیمت اسی مثقال سونا (ایک مثقال مشہور قول کے موافق ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے) دیدیا۔ آپ ﷺ نے وہ سونا اس بدوی کے حوالہ کر دیا اور فرمایا کہ انصاف کی رعایت رکھنا اور اس سے ان کی ضرورت پوری کر لو۔

زیدؓ کہتے ہیں کہ جب کھجوروں کی ادائیگی کے وقت میں دو تین دن باقی رہ گئے تھے حضورؐ صحابہؓ کی ایک جماعت کے ساتھ جن میں ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ بھی تھے کسی کے جنازے کی نماز سے فارغ ہو کر ایک دیوار کے قریب تشریف فرما تھے۔ میں آیا اور آپ ﷺ کے کرتے اور چادر کے پلوں کو پکڑ کر نہایت ترش روئی سے کہا اے محمد ! (ﷺ) آپ میرا قرضہ ادا نہیں کرتے خدا کی قسم ! میں تم سب اولادِ عبدالمطلب کو جانتا ہوں کہ بڑے نادہندہ ہو۔ حضرت عمرؓ نے غصہ سے مجھے گھورا اور کہا کہ اے خدا کے دشمن ! یہ کیا بک رہا ہے۔ خدا کی قسم ! اگر مجھے (حضور ﷺ) کا ڈر نہ ہوتا تو تیری گردن اڑا دیتا۔ لیکن حضور ﷺ نہایت سکون سے مجھے دیکھ رہے تھے اور تبسم کے لہجہ میں عمرؓ سے فرمایا کہ عمر ! میں اور یہ ایک اور چیز کے زیادہ محتاج تھے۔ وہ یہ کہ مجھے حق کے ادا کرنے میں خوبی برتنے کو کہتے اور اس کو مطالبہ کرنے میں بہتر طریقہ کی نصیحت کرتے۔ جاؤ اس کو لے جاؤ اس کا حق ادا کر دو اور تم نے جو اس کو ڈانٹا ہے اس کے بدلے میں بیس (۲۰) صاع (تقریباً دو من کھجوریں) اس کے مطالبہ سے زیادہ دے دینا۔ حضرت عمرؓ مجھے لے گئے اور پورا مطالبہ اور بیس صاع یعنی دو من کھجوریں زیادہ دیں۔ میں نے پوچھا کہ یہ بیس صاع کیسے؟ حضرت عمرؓ نے کہا کہ حضور ﷺ کا یہی حکم ہے۔ زیدؓ نے کہا کہ عمر ! تم مجھ کو پہچانتے ہو؟ انہوں نے فرمایا کہ نہیں۔ میں نے کہا میں زید بن سعنہ ہوں۔ انہوں نے فرمایا کہ جو یہود کا بڑا علامہ ہے، میں نے کہا کہ ہاں وہی ہوں انہوں نے فرمایا کہ اتنا بڑا آدمی ہو کر حضور ﷺ کے ساتھ تم نے یہ کیسا برتاؤ کیا۔ میں نے کہا کہ علاماتِ نبوت میں سے دو علامتیں ایسی رہ گئی تھی، جن کا مجھ کو اب تک تجربہ کرنے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ ایک یہ کہ آپ ﷺ کا حلم آپ ﷺ کے غصہ پر غالب ہوگا۔ دوسری یہ کہ ان کے ساتھ سخت جہالت کا برتاؤ ان کے حلم کو بڑھائے گا اب دونوں کا بھی امتحان کر لیا لہٰذا تم کو اپنے اسلام کا گواہ بناتا ہوں اور میرا آدھا مال امتِ محمدیہ پر صدقہ ہے۔ اس کے بعد حضورؐ کی خدمت میں واپس آئے اور اسلام لے آئے۔ اس کے بعد بہت سے غزوات میں شریک ہوئے اور تبوک کی لڑائی میں شہید ہوئے۔ رضی اللہ عنہ و ارضاہ۔ (جمع الوسائل)

(۲۲۲/۱) حَدَّثَنَا هَارُوْنُ بْنُ اِسْحٰقَ الْهَمْدَانِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا ضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ شَيْئًا قَطُّ اِلَّا اَنْ يُّجَاهِدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا ضَرَبَ خَادِمًا وَّلَا اِمْرَاَةً.

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں ہارون بن اسحٰق ہمدانی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدہ نے ہشام بن عروہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت اپنے باپ سے اور انہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے نقل کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کے علاوہ کبھی کسی کو نہیں مارا۔ نہ کبھی کسی خادم کو نہ کسی عورت (بیوی باندی وغیرہ) کو

ماضرب بیدہ ...... سوائے جہاد کے کسی کو بھی اپنے ہاتھ مبارک سے نہیں مارا

شیخ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہاں شیئی سے مراد آدمی ہے کیونکہ بسا اوقات آپ ﷺ نے اپنی سواری کے جانور کو مارا ہے۔ نیز حضرت شیخؒ فرماتے ہیں کہ دست بدست لڑائی جنگِ احد میں واقع ہوئی تھی اور آنحضورؐ کے ہاتھ مبارک سے اُبَی بن خلف مارا گیا تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مجاہدہ سے مراد صرف کفار کے ساتھ جنگ کرنا ہی نہیں ہے، بلکہ عام بھی ہو سکتا ہے۔ نیز حدود و تعزیر بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ ارشاد ہے اور حضور پاک ﷺ نے نہ تو کسی خادم کو نہ ہی بیوی کو کبھی مارا ہے۔

شیخ احمد عبد الجواد الدومیؒ لکھتے ہیں کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لایضرب مع وجود اسباب الضرب لان الحلم کان طبعہ و کظم الغیظ کان سجیتہ ۔ (اتحافات ص: ۲۷۳) (نبی کریم ﷺ نے کسی کو بھی مارنے کے اسباب کی موجودگی کے باوجود نہیں مارا کیونکہ تحمل برداشت اور غصہ کو پی لینا آپ ﷺ کی طبیعت اور عادت مبارکہ تھی)

شیخ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ تعمیم بعد تخصیص ہے، چونکہ اکثر انہی دو گروہوں کے ساتھ مار کے واقعات پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے ان دونوں کا ذکر خصوصی طور پر کیا گیا ہے اور شمائل کے حاشیہ پر ہے: ھذا النفی مندرج تحت نفی الضرب الالٰہ خصہ بالذکر اھتماما بشانہ و وجھہ ان ضرب الزوجۃ و الخادم و ان کان مباحا

فلادب اهر که افضل ۔ یعنی بیکلی نفی عام کے تحت ہے اور خصوصی طور پر ان دو کے ساتھ ذکر ہوئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے اگرچہ ادب کے لئے عورت یا خادم کو مارنا بھی مباح ہے مگر اس کا ترک یعنی نہ مارنا افضل و بہتر ہے۔

البتہ علامہ ملا علی قاری اس پر اضافہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں، فسالوا بخلاف الولد فالاولی تادیبہ و الفرق ان ضربہ لمصلحۃ تعود علیہ فلم یندب العفو بخلاف ضربہما فانہ لحظ النفس فندب العفو عنہما مخالفۃ لہوی النفس و کظماً لغیظہا (جمع ج ۲ ص ۱۹۵) (فقہاء کرام (بیوی اور خادم کے نہ مارنے کو افضل کہنے کے باوجود) اپنی اولاد کو تادیب کے لئے مارنے کو افضل و بہتر کہتے ہیں۔ اور اس میں فرق اس لئے ہے کہ اولاد کو مارنا بھی اسی مصلحت کے لئے ہوتا ہے جس کا نفع اس کو پہنچتا ہے اس لئے اس کی غلطی سے عفو و درگذر کرنا اچھا نہیں بخلاف بیوی اور خادم کو مارنے کے کہ یہ اپنے نفس کے حظ اور خوش کرنے کے لئے ہوتا ہے تو اپنے نفس کی مخالفت اور غصہ پی لینے کے لئے ان دونوں کو (ان کی غلطی پر) معاف اور درگذر کرنا اچھا اور مستحب ہے)

(۳۳۵/۲) حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ حَدَّثَنَا فُضَيْلُ بْنُ عِيَاضٍ عَنْ مَنْصُورٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْتَصِرًا مِنْ مَظْلَمَةٍ ظُلِمَهَا قَطُّ مَا لَمْ يُنْتَهَكْ مِنْ مَحَارِمِ اللَّهِ تَعَالَى شَيْءٌ فَإِذَا انْتُهِكَ مِنْ مَحَارِمِ اللَّهِ تَعَالَى شَيْءٌ كَانَ مِنْ أَشَدِّهِمْ فِي ذَلِكَ غَضَبًا وَمَا خُيِّرَ بَيْنَ أَمْرَيْنِ إِلَّا اخْتَارَ أَيْسَرَهُمَا مَا لَمْ يَكُنْ مَأْثَمًا.

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں احمد بن عبدہ ضبی نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے فضیل بن عیاض نے منصور کے حوالے سے بیان کیا۔ انہوں نے زہری سے اور انہوں نے عروہ سے نقل کیا۔ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ حضور اقدس ﷺ نے اپنی ذات کے لئے کبھی کسی کے ظلم کا بدلہ لیا ہو۔ البتہ اللہ کی حرمتوں میں سے کسی

حرمت کی ہتک ہوتی تو حضور اکرم ﷺ سے زیادہ غصہ والا کوئی شخص نہیں ہوتا تھا۔

حضور اقدس ﷺ جب بھی دو امروں میں اختیار دیے جاتے تھے تو ہمیشہ سہل کو اختیار فرماتے، تاوقتیکہ اس میں کسی قسم کی معصیت وغیرہ نہ ہو۔

راوی حدیث (۲۱۵) فضیل بن عیاض ؒ کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظ حدیث کی تشریح :

ما رأیت ...... حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو کبھی بھی نہیں دیکھا کہ اپنی ذات کے لئے کسی شخص کے ظلم کا بدلہ لیا ہو۔ منتصراً کا مصدر انتصار ہے جس کا معنی ہے بدلہ لینا، انتقام لینا، قائم ہونا 'مظلمة' جو اسم ظرف ہے سے لیا جائے' اگر لام کے فتح کے ساتھ ہو تو معنی ظلم کے ہیں مظلمة بالکسر والفتح الظلم وهو وضع الشیء فی غیر محله (جمع ج ۲ ص ۱۹۶) (ملا علی قاری مظلمة بکسر اللام وفتحها کا معنی بیان کرتے ہیں کہ کسی چیز کو بے جا استعمال کرنا یا اپنے مرتبہ سے گھٹانا) ینتهک 'انتهاک' سے ہے جس کے معنی ہیں پھاڑنا، کھینچ کر کاٹ ڈالنا، فضیحت و رسوائی کرنا۔

اپنی ذات کے لئے انتقام نہ لیتے :

یہ آنحضور ﷺ کا کمال اخلاق تھا کہ جس شخص نے بھی آپ ﷺ پر جتنی بھی زیادتی کی، حضور اقدس ﷺ نے اس شخص سے زیادتی کا بدلہ نہیں لیا، بلکہ اسے معاف فرما دیا۔ علامہ یوسف نبھانی "تحریر فرماتے ہیں : اگر آپ ﷺ کے ساتھ کوئی شخص بدسلوکی کرتا تب بھی آپ ﷺ اس کے ساتھ بدسلوکی نہ کرتے "معذرت خواہ کوئی بھی ہوتا، اس کی معذرت قبول کرتے، کوئی آپ ﷺ کو تکلیف پہنچاتا تو اس سے درگذر کرتے اور فرماتے خدا میرے بھائی موسیٰ پر رحم فرمائے۔ انہیں اس سے بھی زیادہ تکلیفیں پہنچائی گئیں، مگر انہوں نے صبر کیا (وسائل الوصول)

تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ جنگ اُحد میں جب عتبہ نے آپ ﷺ پر

پتھر چلایا اور آپ ﷺ کا دندان مبارک شہید ہو گیا اور چہرۂ انور خون آلود ہو گیا تو بعض حاضرین نے عرض کیا کہ اس موذی کے لئے بددعا فرمائیں۔ حضور ﷺ نے یہ دعا فرمائی کہ یا اللہ ! میری قوم کو ہدایت فرما یہ ناواقف ہیں۔ ایک بدوی ایک مرتبہ آیا اور حضور ﷺ کی چادر مبارک پکڑ کر اس زور سے کھینچی کہ گردن مبارک پر نشان پڑ گیا اور یہ کہا کہ میرے ان اونٹوں پر غلہ لدوا دو تم اپنے مال میں سے یا اپنے باپ کے مال میں سے نہیں دیتے ہو، گویا بیت المال کا مال ہم ہی لوگوں کا ہے تمہارا نہیں ہے۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تک تو اس چادر کھینچنے کا بدلہ نہیں دے گا، میں غلہ نہیں دوں گا۔ اس نے کہا کہ خدا کی قسم ! میں بدلہ نہیں دیتا۔ حضور اکرم ﷺ تبسم فرما رہے تھے اور اس کے اونٹوں پر غلہ لدوا دیا۔ ہم لوگ حضور ﷺ کے نام لیوا ہیں۔ اتباع کے دعوے دار ہیں، یہاں ذرا سی بات خودداری کے خلاف ہو جاتی ہے، کوئی ذرا سخت لفظ کہہ دے تو وقار کے خلاف بن جاتی ہے۔

اسہل الامرین کو اختیار کرنا :

وما خیر بین امرین ...... حدیث کے آخر جملہ کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے جب آپ ﷺ کو بالخصوص امت کے حق میں دو امروں کا اختیار دیا جاتا تو آپ ﷺ امت کے لئے جو سہل ہوتا اس کو اختیار فرماتے اور اسی طرح دنیاوی امور میں جہاں دو رائیں ہوتیں، ان میں سے سہل کو اختیار فرماتے، جب تک کہ اس میں کسی قسم کا شرعی نقصان نہ ہو۔ بہت سی احادیث میں مختلف عنوانات سے حضور ﷺ کے ارشادات بھی اس مضمون میں وارد ہوئے ہیں کہ سہولت اختیار کرنا اور خواہ مخواہ اپنے کو مشقتوں میں ڈالنا حضور اکرم ﷺ کو پسند نہ تھا۔ اس سلسلے میں شیخ بیجوری نے دینی اور دنیوی امور میں الاخذ بالایسر (آسان صورت پر عمل کرنے کی مختلف مثالوں سے وضاحت کرتے ہوئے آخر میں فرمایا کہ وفی معنی ذلک الاخذ برخص اللہ تعالیٰ و رسولہ و رخص العلماء مالم یتبع ذلک بحیث تنحل ربقۃ التقلید من عنقہ (مواہب ص ۱۵۶) (اور اسی کے حکم میں ہے اللہ تعالیٰ، رسول اور علماء امت کی طرف سے بتلائی گئی رخصتوں

(سہولتوں) پر ایسے انداز اور اس طرح عمل کرنا کہ جس سے دامن تقلید سے خلاصی اختیار نہ کی گئی ہو)

(۳۳۹/۸) حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْکَدِرِ عَنْ عُرْوَۃَ عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ اِسْتَاْذَنَ رَجُلٌ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ وَ اَنَا عِنْدَہٗ فَقَالَ بِئْسَ ابْنُ الْعَشِیْرَۃِ اَوْ اَخُو الْعَشِیْرَۃِ ثُمَّ اَذِنَ لَہٗ فَاَلَانَ لَہُ الْقَوْلَ فَلَمَّا خَرَجَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قُلْتَ مَا قُلْتَ ثُمَّ اَلَنْتَ لَہُ الْقَوْلَ فَقَالَ یَا عَائِشَۃُ اِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ مَنْ تَرَکَہُ النَّاسُ اَوْ وَدَعَہُ النَّاسُ اِتِّقَاءَ فُحْشِہٖ

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں ابن ابی عمر نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو یہ سفیان نے محمد بن منکدر کے واسطے سے بیان کیا۔ انہوں نے اسے عروہ سے اور انہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے نقل کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ سے ایک شخص نے حاضری کی اجازت چاہی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ شخص اپنے قبیلہ کا کیسا برا آدمی ہے۔ یہ ارشاد فرمانے کے بعد اس کو حاضری کی اجازت مرحمت فرما دی اور اس کے اندر آنے پر اس کے ساتھ نہایت نرمی سے باتیں کیں، جب وہ چلا گیا تو حضرت عائشہؓ نے پوچھا کہ حضور ! آپ ﷺ نے اس کے بارے میں حاضر ہونے سے پہلے تو یہ لفظ ارشاد فرمایا تھا، پھر اس قدر نرمی سے اس کے ساتھ کلام فرمایا۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عائشہ ! بدترین لوگوں سے ہے، وہ شخص کہ لوگ اس کی بدکلامی کی وجہ سے اس کو چھوڑ دیں۔ استاذن رجل ...... بعض نے کہا کہ یہ شخص عیینہ بن حصن الفزاری تھا۔ بعض نے کہا کہ وہ مخرمہ بن نوفل تھا، ولا یبعد تعدد القضیۃ ولم یکن اسلم حینئذ و ان کان قد اسلم ظاهرا (الفتح ج ۱۰ ص ۴۶۹) (اور یہ کچھ بعید نہیں کہ یہ واقعہ متعدد ہوا ہو اور وہ شخص اس وقت تک (حقیقی) مسلمان نہیں تھا اگرچہ ظاہری طور پر اسلام لایا تھا)

”رجل“ کون تھا :

بئس ابن العشیرۃ او اخو العشیرۃ ...... یہ راوی کا شک ہے کہ ابن فرمایا یا اخ

فرمایا العشیرہ قبیلہ کو کہتے ہیں۔ گویا یہ اپنے قبیلہ کا اچھا آدمی نہیں ہے۔ کہتے ہیں یہ دل سے اُس وقت تک مسلمان بھی نہ ہوا تھا بلکہ نفاق کے طور پر بظاہر مسلمان تھا۔ حضور اکرم ﷺ کا معاملہ اُس وقت تک منافقین کے ساتھ مسلمانوں ہی جیسا تھا۔ اس لئے اس کے ساتھ بھی یہی برتاؤ تھا۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد جب ارتداد کا زور ہوا تو یہ مرتد ہو گیا تھا، تو اس نے یہ جواب دیا تھا کہ میں مسلمان ہی کب ہوا تھا جو مرتد ہوتا۔ لیکن اس کے بعد یہ مسلمان ہوئے اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں جہاد میں بھی شریک ہوئے۔

دفع مضرت کے لئے برائی بیان کرنا غیبت نہیں ہے :

حضور اقدس ﷺ نے اسی لئے اُس کے آنے سے قبل اس کی حالت پر تنبیہ فرمادی اور چونکہ یہ تنبیہ اصلاح اور دوسروں کو مضرت سے بچانے کے لئے تھی۔ اس لئے یہ کلام شرعاً غیبت کی حدود میں داخل نہیں ہے۔ اس لئے کہ کسی شخص کی برائی کو اس وجہ سے ظاہر کرنا کہ لوگ اس کی برائی کا شکار نہ بن جائیں اور کسی نقصان میں نہ پھنس جائیں، غیبت کی ممانعت میں داخل نہیں ہے بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ شخص علی الاعلان فاسق تھا اور جو کھلم کھلا فسق و فجور میں مبتلا ہو۔ اُس کی غیبت جائز ہے۔ اس کے حاضر ہونے پر اُس کے ساتھ نرم کلامی اس کی تالیفِ قلب اور اس کے مانوس کرنے کے لئے فرمائی۔ جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کی خصوصی عادت شریفہ تھی۔ نیز حضور اقدس ﷺ کی عادت شریفہ سب ہی کے ساتھ نرم کلامی کی تھی اور اسی وجہ سے اس کے آنے سے پہلے عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کو اس پر متنبہ بھی کر دیا تاکہ حضور اکرم ﷺ کے اس طرز کی وجہ سے اس کو مخلص نہ سمجھیں۔ وہ کچھ بھلا آدمی نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ حضور اکرم ﷺ کے اس طرزِ معاشرت کی وجہ سے اس کو مخلص اور خیر خواہ سمجھیں اور اس دھوکہ کی وجہ سے کسی مضرت میں پڑ جائیں یا کوئی راز کی بات اس کے سامنے کہہ دیں کہ ایسے منافق لوگ خصوصیات جتانے کے لئے ایسے ہی خصوصی اور اہم تذکرے چھیڑا کرتے ہیں۔ (خصائل ص:۳۱۲)

شیخ عبدالرؤفؒ لکھتے ہیں کہ ولیس ذلک غیبۃ بل ھو من النصیحۃ و الشفقۃ علی الامۃ لیعرف حال المقول علیہ علی ان غیبۃ کان اذ ذاک متزلزل

الایمان مضمر النفاق بدلیل انہ اظہر الردۃ بعد المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم و جئی بہ ابی بکرؓ اسیراً فکان الصبیان یصیحون بہ فی ازقۃ المدینۃ ھذا الذی خرج من الدین فیقول عمکم لم یدخل حتی یخرج فکان ذلک القول من المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم علماً من اعلام النبوۃ ومعجزۃ لہ لاخبارہ بغیب وقع۔ (مناوی ج۲ ص۱۴۹)

اور یہ امر آپ ﷺ کا اپنی امت کے حق میں غیبت کا مقام نہیں رکھتا، بلکہ اس میں امت کے واسطے نصیحت اور شفقت کا مواد موجود ہے اور اس کا اظہار اس لئے بھی ضروری تھا کہ اس قسم کے حال وقال رکھنے والے شخص کی غیر موجودگی میں اس کی صحیح پہچان ہو جائے کہ اس کا ایمان ڈانواڈول اور اس کے دل میں نفاق کے جراثیم موجود ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس شخص کا ارتداد نبی کریم ﷺ کے بعد ظاہر ہو گیا اور وہ لایا گیا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سامنے قیدی کی حیثیت سے' جبکہ بچے اس پر پھبتیاں کس رہے تھے کہ یہ وہ شخص ہے' جو دین سے نکل گیا ہے، وہ کہتا کہ تمہارا چچا داخل اسلام کب ہوا تھا۔ پس آپ ﷺ کا یہ ارشاد آپ ﷺ کی نبوت صادقہ کی واضح علامات میں ایک علامت اور معجزات میں سے ایک معجزہ ہے کہ جس بات کی آپ ﷺ نے پیشگی خبر دی تھی، وہ ویسے ہی واقع پذیر ہوئی۔

فقہاء کہتے ہیں کہ علی الاعلان فسق کرنے والے (فاسق معلن) کے عیوب بیان کرنا غیبت نہیں' حدیث میں ہے فاجر کے عیب بیان کرو کہ لوگ اس سے اجتناب کریں۔ حضرت حسنؓ سے روایت ہے کہ تین شخصوں کی حرمت نہیں، ایک صاحب ہویٰ' دوسرا فاسق معلن' تیسرا ظالم بادشاہ یعنی ان کے عیوب بیان کرنا غیبت نہیں۔

ان من شر الناس ...... اخیر جملہ میں حضور اقدس ﷺ کے پاک ارشاد بد ترین شخص کے دو مطلب ہو سکتے ہیں کہ اس کا تعلق آنے والے سے ہو۔ یعنی اس کی فحش گوئی سے بچنے کے لئے اس کے ساتھ یہ برتاؤ کیا گیا کہ یہ فحش گو ہے یا اس کا تعلق حضور اکرم ﷺ کی ذات سے ہے۔ یعنی مجھے فحش گو تو نے کب دیکھا تھا کہ اس کی منتظر تھی۔

وہ برا شخص ہے، جس کی بدکلامی کی وجہ سے لوگ اُس کے پاس آنا چھوڑ دیں۔ میں

اگر ایسی گفتگو کروں تو لوگ میرے پاس بھی آمد و رفت چھوڑ دیں۔ جس سے اگرچہ نقصان ہے مگر حضور اکرم ﷺ ان کا نقصان کب گوارا فرما سکتے ہیں۔

مدارات اور مداہنت کا فرق :

فقہاء کرام نے جہاں یہ ذکر کیا ہے کہ فاسق معلن کے عیوب بیان کرنا غیبت نہیں وہاں یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ اس کے شر سے بچنے کے لئے اتنی مدارات جائز ہے، جو مداہنت فی الدین کے درجہ کو نہ پہنچے۔ ملا علی قاری نے مداہنت اور مدارات کا فرق یوں بیان کیا ہے۔ والفرق بين المداراة و المداهنة ان المداراة بذل الدنيا لصلاح الدنيا و الدين او هما معا و هي مباحة و ربما تكون مستحسنة والمداهنة بذل الدين لصلاح الدنيا (جمع ج ص ۱۰) (مداہنت اور مدارات کا فرق اور امتیاز یہ ہے کہ مدارات میں دنیا کو یا تو صرف دنیا کی بھلائی و درستگی کے لئے خرچ و قربان کرنا یا پھر صرف دین کی بھلائی کے لئے اور یا دین و دنیا دونوں کی بھلائی کے لئے قربان کر دینا اور یہ (شرعاً) مباح بلکہ بعض اوقات مستحسن اور مستحب ہے اور مداہنت کا معنی دین کو دنیا کی بھلائی اور درستگی کے لئے قربان کر دینا ہے)

اُصول جرح و تعدیل :

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی مدظلہ فرماتے ہیں :

اس حدیث سے جرح کا اُصول بھی ثابت ہوتا ہے۔ گویا روایانِ حدیث کے عیوب کو ظاہر کرنا اچھی بات ہے تا کہ عام لوگ ان عیوب سے واقف ہو کر غلط روایات کو بنیاد بنانے سے بچ جائیں۔ اسی طرح محدثین کرام حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق روایت سے اُصول تعدیل ثابت کرتے ہیں۔ نِعْمَ عَبْدُ اللّٰہِ رَجُلٌ صَالِحٌ لَوْ کَانَ یُصَلِّیْ بِاللَّیْلِ یعنی عبداللہ بن عمرؓ اچھا آدمی ہے اگر رات کے وقت نماز ادا کرتا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد سے پہلے حضرت عبداللہ بن عمرؓ رات کی نماز (تہجد) میں قدرے سستی کرتے تھے، مگر جب حضور ﷺ کا یہ ارشاد سنا تو پھر زیادہ مستعد ہو گئے اور رات کا زیادہ حصہ نماز میں

گزارنے لگے۔

الغرض! احادیث کے باب میں اُصول جرح اور تعدیل ایسی ہی روایات سے اخذ کیا گیا ہے۔ چنانچہ محدثینؒ جب کسی راوی کی چھان بین کرتے ہیں کہ فلاں شخص دروغ گو تھا، یا اس کو نسیان کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح تعدیل کے ضمن میں کہتے ہیں کہ فلاں راوی ثقۃ، ثبت یا عالم وغیرہ کہتے ہیں۔

(۳۴۷/۹) حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ حَدَّثَنَا جُمَيْعُ بْنُ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْعِجْلِيُّ حَدَّثَنِيْ رَجُلٌ مِنْ بَنِيْ تَمِيْمٍ مِنْ وَلَدِ أَبِيْ هَالَةَ زَوْجِ خَدِيْجَةَ يُكْنٰى أَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنٍ لِأَبِيْ هَالَةَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ سَأَلْتُ أَبِيْ عَنْ سِيْرَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ جُلَسَائِهِ فَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَائِمَ الْبِشْرِ سَهْلَ الْخُلُقِ لَيِّنَ الْجَانِبِ لَيْسَ بِفَظٍّ وَلَا غَلِيْظٍ وَلَا صَخَّابٍ وَلَا فَحَّاشٍ وَلَا عَيَّابٍ وَلَا مُشَاحٍّ يَتَغَافَلُ عَمَّا لَا يَشْتَهِيْ وَلَا يُؤْيِسُ مِنْهُ وَلَا يُجِيْبُ فِيْهِ قَدْ تَرَكَ نَفْسَهُ مِنْ ثَلَاثٍ الْمِرَاءِ وَالْإِكْبَارِ وَمَا لَا يَعْنِيْهِ وَتَرَكَ النَّاسَ مِنْ ثَلَاثٍ كَانَ لَا يَذُمُّ أَحَدًا وَلَا يَعِيْبُهُ وَلَا يَطْلُبُ عَوْرَتَهُ وَلَا يَتَكَلَّمُ إِلَّا فِيْمَا رَجَا ثَوَابَهُ وَإِذَا تَكَلَّمَ أَطْرَقَ جُلَسَاؤُهُ كَأَنَّمَا عَلٰى رُءُوْسِهِمُ الطَّيْرُ فَإِذَا سَكَتَ تَكَلَّمُوْا لَا يَتَنَازَعُوْنَ عِنْدَهُ الْحَدِيْثَ وَمَنْ تَكَلَّمَ عِنْدَهُ أَنْصَتُوْا لَهُ حَتّٰى يَفْرُغَ حَدِيْثُهُمْ عِنْدَهُ حَدِيْثُ أَوَّلِهِمْ يَضْحَكُ مِمَّا يَضْحَكُوْنَ مِنْهُ وَيَتَعَجَّبُ مِمَّا يَتَعَجَّبُوْنَ وَيَصْبِرُ لِلْغَرِيْبِ عَلَى الْجَفْوَةِ فِيْ مَنْطِقِهِ وَمَسْأَلَتِهِ حَتّٰى إِنْ كَانَ أَصْحَابُهُ لَيَسْتَجْلِبُوْنَهُمْ وَيَقُوْلُ إِذَا رَأَيْتُمْ طَالِبَ حَاجَةٍ يَطْلُبُهَا فَأَرْفِدُوْهُ وَلَا يَقْبَلُ الثَّنَاءَ إِلَّا مِنْ مُكَافِئٍ وَلَا يَقْطَعُ عَلٰى أَحَدٍ حَدِيْثَهُ حَتّٰى يَجُوْزَ فَيَقْطَعَهُ بِنَهْيٍ أَوْ قِيَامٍ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں سفیان بن وکیع نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے جمیع بن عمر بن عبدالرحمن عجلی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں بیان کیا بنی تمیم کے ایک شخص نے جو حضرت خدیجہؓ کے خاوند ابی ہالہ کی اولاد میں سے تھا اور جس کی کنیت

ابو عبداللہ تمیمی۔ حضرت حسن بن علیؓ سے روایت کرتے ہیں، آپ فرماتے ہیں کہ (ان کے چھوٹے بھائی) حسین بن علیؓ نے فرمایا کہ میں نے اپنے باپ سے حضور رسول کریم ﷺ کے متعلق پوچھا کہ آنحضور ﷺ کا طور و طریقہ اپنے ہم نشینوں کے ساتھ کیسا تھا، تو انہوں نے فرمایا، ہر وقت ہنس مکھ ہوتے، نرم اخلاق والے تھے، نرم طبیعت تھے، نہ تو سخت کلام اور نہ ہی تند خو تھے، نہ تو چلانے والے اور نہ ہی فحش گو تھے، نہ کسی کے عیب بیان کرنے والے، جو چیز پسند نہ فرماتے، اس سے تغافل برتتے اور اسے ناامید بھی نہ فرماتے اور اس کا جواب نہ دیتے۔ تین باتوں سے اپنے آپؐ کو بالکل محفوظ کر رکھا تھا، جھگڑے سے، تکبر سے اور لایعنی باتوں سے اور تین باتوں سے لوگوں کو بچا رکھا تھا، نہ کسی کی مذمت کرتے تھے، نہ ہی کسی کا عیب بیان کرتے تھے اور نہ ہی کسی کی ایسی چیز کی جستجو کرتے تھے کہ جس کے واقع ہونے سے عار آتی ہو۔ آپ ﷺ گفتگو نہیں فرماتے تھے مگر وہی جس سے ثواب کی امید ہوتی ہو، اور جس وقت آنحضور ﷺ گفتگو فرماتے تو آپ ﷺ کے ہم مجلس صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نہایت ہی خاموش آنکھیں نیچے کیے بیٹھتے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں، پھر جب آپ ﷺ خاموش ہو جاتے تو آپ ﷺ کے ہم مجلس گفتگو کرتے اور آنحضور ﷺ کی موجودگی میں اپنی باتوں میں کسی قسم کا جھگڑا نہ کرتے اور جو شخص آپ ﷺ کی خدمت بابرکت میں عرض معروض کرتا، باقی سب کے سب خاموش رہتے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی گفتگو سے فارغ ہو جاتا۔ ان حضرات کی بات حضور اکرم ﷺ کے حضور مبارک میں ایسی ہوتی، جیسے ان میں سے پہلے شخص کی بات، جس بات سے سب حضرات ہنستے، آپ ﷺ بھی تبسم فرماتے اور جس سے سب تعجب فرماتے، آپ بھی تعجب فرماتے اور آپ ﷺ اجنبی یا مسافر کی سخت گفتگو اور بے ادبی کے پوچھنے پر صبر کرتے تا آنکہ حضور ﷺ کے صحابہؓ مسافروں کو آپ ﷺ کی مجلس میں لے آتے اور حضور پاک ﷺ یہ بھی ہدایت فرماتے کہ جب کسی ضرورت مند کو دیکھو کہ وہ اپنی ضرورت کو پورا کرنے کا مطالبہ کرتا ہے تو اس کی امداد کرو۔

آپ ﷺ اس شخص کی تعریف کرنا منظور فرماتے، جو حد سے تجاوز نہ کرتا، کسی

ایک کی گفتگو منقطع نہیں فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ حد سے نہ بڑھ جاتا، پس اسے منع فرما کر بات ختم فرما دیتے یا اٹھ کر چلے جاتے۔

یہ حدیث اسی طویل حدیث کا ایک حصہ ہے جو آپ ﷺ کی تواضع کے باب میں ساتویں نمبر میں گذر چکی ہے۔

جمال محمدؐ کا حسین منظر :

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (۱) دائم البشر یعنی چہرۂ انور پر بشاشت خندہ روئی نورانیت اور تبسم رہتا تھا۔ و ھو طلاقۃ الوجہ والبشاشۃ و حسن التخلق مع الخلق و فی التعبیر بکان و دوام البشر اشعار بان حسن خلقہ کان دائما غیر خاص بجلسائہ و فیہ ایماء بانہ کان رحمۃ للعالمین (شرح ج۴ ص۲۰۱) (علامہ ملا علی قاری دائم البشر کی تشریح میں کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کا چہرہ مبارک ہشاش بشاش اور خندہ رو ہوتا تھا اور مخلوق کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آتے تھے اور لفظ کان اور دائم البشر سے تعبیر کرنے میں یہ بتانا مقصود ہے کہ آپ ﷺ کا حسن اخلاق کا یہ برتاؤ صرف اپنے ہم نشینوں سے مخصوص نہ تھا بلکہ سب کے لئے عام تھا اور اس میں اشارہ ہوا کہ آپ ﷺ کی ذات اقدس واقعی رحمت للعالمین تھی) ترش روئی اور اغماض نام کے چیز نہ ہوتی تھی۔ یہ متواصل الاحزان کے منافی نہیں ہے۔ لان حزنہ بسبب احوال الآخرۃ اما بالنسبۃ لامور الدنیا فکان دائم البشر (مناوی ج۲ ص۲۰۱) (اس لئے کہ آپ ﷺ کی غمگینی اور تفکر ہونا تو قیامت کے دہشت ناک مناظر کی وجہ سے ہوتا تھا اور دنیوی امور کی نسبت تو آپ ﷺ کے چہرہ انور پر ہمیشہ بشاشت خندہ روئی ہوا کرتی تھی)

(۲) سہل الخلق آپ نرم مزاج تھے اخلاق میں حد درجہ تواضع و انکسار اور ملائمت تھی۔ سختی درشتی تند خوئی اور تیکھی کوئی نہیں کرتے تھے۔ ای لیس بصعب ولا خشنہ۔

(اتحافات ص ۳۷۵)

(۳) لین الجانب یعنی انتہائی نرم خو خوش لہجہ نرم طبیعت حلیم اور بردبار تھے۔ درشتی اور سختی نام کی چیز سے نا آشنا تھے۔ علامہ بیجوریؒ بھی لین الجانب کی یہی تشریح کر رہے ہیں

ای سریع العطف کثیر اللطف جمیل الصفح مع السکون والوقار والخشوع والخضوع وعدم الخلاف۔ (مواہب ص۲۵۸)

(۴) لیس بفظ ولا غلیظ ' فظ ' کا معنی سخت کلام بدخلق غلیظ کا معنی تندخو۔ ای یحمل احدھما علی غلاظة اللسان والآخر علی غلاظة القلب۔ (جمع ج۲ ص۲۰۱) (ان میں سے ایک کو تو زبان کی بدگوئی پر اور دوسرے کو سخت دلی پر محمول کیا جائے گا)

آپ کی یہی صفت قرآن مجید نے بھی بیان کی ہے۔ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ۔ (آل عمران:۱۵۹) اگر آپ کج خلق طبیعت اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔ ای لیس فیه جفاء ولا غلظة (اتحافات ص۳۷۶) (یعنی آپ ﷺ میں اکھڑ پن اور سخت دلی نہیں تھی)

(۵) ولا صخاب ولا فحاش نہ تو آپ چیخ کر چلا کر بات کرنے اور شور و شر کرنے والے تھے اور نہ فحش سے آشنا تھے اور نہ فحش گوئی کرتے تھے۔ لیس بکثیر الصخب ای الصیاح ولا یعرف الفحش ولا یقع منه۔ (اتحافات ص۳۷۶)

(۶) ولا عیاب ولا مشاح ای لایعیب غیرہ ابدا۔ (اتحافات ص۳۷۶) یعنی نہ تو کسی دوسرے شخص کی عیب جوئی کرتے تھے کہ خواہ مخواہ کسی دوسرے کے عیوب تلاش کئے جائیں، ولا عاب طعاماً قط۔ (اتحافات ص۳۷۶) حتی کہ کھانے میں بھی عیب گوئی اور اعتراض نہیں کرتے تھے کہ یہ بدمزہ ہے یا پھیکا ہے یا تلخ ہے یا بدبودار بلکہ اچھا معلوم ہوا تو نوش فرمالیا، ورنہ چھوڑ دیا نہ کھایا۔ مشاح کا معنی زیادہ مبالغہ سے تعریف کرنے والا زیادہ مذاق کرنے والا اور بخل کرنے والا' حضور اقدس ﷺ ان تینوں عیوب اور نقائص سے مبرا تھے، نہ تو کسی کے جائز حق کی ادائیگی میں بخل کرتے تھے، صاف گو تھے اور حقدار کو اس کا حق دلانے میں کوتاہی نہیں کرتے تھے۔

(۷) یتغافل عما لا یشتھی ' جس چیز کو آپ مستحسن نہ سمجھتے پسند نہ فرماتے، گو وہ حرام اور ناجائز نہ ہوتی، مگر آپ کو مرغوب بھی نہ ہوتی۔ تو آپ ﷺ اس کے ذکر اور اس کے سننے سے تغافل برتتے تھے۔ گویا سنی ان سنی کر دیتے تھے۔ غیر ضروری چیز کے لئے

تغافل کے معنی ہے ای یظھر الغفلة والاعراض عما لا یستحسنه من الاقوال والافعال تلطفا باصحابه ورفقا بهم۔ (مواہب ص۲۵۸) (یعنی جو اقوال و افعال ناپسندیدہ اور غیر ضروری ہوا کرتے اپنے اصحاب کے تلطف اور آسانی کے پیش نظر ان سے اعراض و روگردانی اختیار فرمالیتے)

(۸) ولا یؤیس منه ' دوسرے کی خواہش اور مطلوب و محبوب اگر آپ کو مرغوب نہ ہوتا تو اس کو مایوس بھی نہ فرماتے تھے۔ اس کو حصول و استعمال کی اجازت دیتے تھے۔

علامہ زرقانی لکھتے ہیں ای لایجعل غیرہ آیسا مما لایشتھیه ولا یقطع رجاءہ منه (مواہب ص۲۵۸) ولا یجیب فیه ' یہاں بھی فیہ کی ضمیر ' ما لا یشتھی ' کو راجع ہے، یعنی آپ ﷺ اپنی ناپسندیدہ اور نامرغوب چیز اگرچہ دوسرے کے لئے منع نہ فرماتے تھے مگر اس کا وعدہ بھی نہیں کرتے تھے، بلکہ خاموش رہ جاتے، بل یسکت عنه عفوا و تکرما، بلکہ از روئے عفو و کرم خاموشی بھی اختیار فرمالیتے تھے۔ یا نرم اور میٹھے اور مناسب انداز سے بات ٹال دیا کرتے تھے۔

(۹) وقد ترک نفسه من ثلاث ' حضور اقدس ﷺ نے اپنی ذات کو تین چیزوں سے روک رکھا تھا۔ ای منعھا من خصال مذمومة۔ (مواہب ص۲۵۸) یعنی آپ ﷺ نے خود کو تین مذموم خصلتوں سے مجتنب رکھا تھا۔ (۱) ان میں پہلی خصلت المراء یعنی جھگڑنا اور الجھنا ای الجدال ولو بحق لحدیث من ترک المراء وھو محق بنی الله له بیتا فی ربض الجنة۔ (جمع ج۲ ص۲۰۲) (اگرچہ وہ الجھنا ٹھیک بھی ہوتا کیونکہ دوسری حدیث میں ہے کہ جس نے باوجود حق پر ہونے کے (اپنے مقابل سے) جھگڑنا چھوڑ دیا اللہ تعالی وسط جنت میں اس کے لئے عالی شان محل بنا دیں گے) بات بات پر الجھنا اور جھگڑنا منافقین کی خصلت ہے۔ قرآن میں بھی اس کی مذمت ہے۔ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ (البقرة:۲۰۴) یعنی منافقین سخت جھگڑالو ہوتے ہیں۔ (۲) والاکبار ' یعنی خود کو بڑائی تکبر و نخوت کی صفت مذموم سے بچائے رکھتے تھے، ہمیشہ تواضع و انکساری اور فروتنی کا اظہار فرماتے تھے۔ ای من استعظام نفسه فی الجلوس و المشی وامثال ذلک فی

معاشرته مع الناس ۔ (جمع ج ۲ ص ۲۰۲) (یعنی لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور چلنے وغیرہ کے برتاؤ میں اپنے آپ کو بڑائی، تکبر اور دیگر صفات مذمومہ سے بچائے رکھا کرتے) اور حدیث میں انا سید ولد آدم کا ارشاد اس کے منافی نہیں، کیونکہ یہ ارشاد مبارک تحدیثاً بنعمة المولیٰ (اپنے رب کی نعمت کے بیان و اظہار) کے لئے کہا گیا ہے۔ لا افتخاراً ولا استعظاما بمقتضی الھوی۔ (جمع ج ۲ ص ۲۰۲) خواہش نفسی، عجب و خود پسندی بڑائی کے اظہار اور فخر و غرور کی بنا پر نہیں کہا گیا۔ بعض روایات میں اکبار کی جگہ اکثار کا لفظ منقول ہے۔ ای من الکلام والمال (اتحافات ص ۳۷۶) (یعنی آپ ﷺ مال اور گفتگو میں خود کو بڑا نہ بتلاتے)

(۳) وما لا یعنیہ یعنی حضور اقدس ﷺ ہمیشہ بامعنی، بامقصد اور بقدر ضرورت کام اور بات کرتے تھے۔ لغویات اور لایعنی اور بے مقصد امور سے اجتناب فرماتے تھے۔ قرآن میں بھی مومنین کی صفت میں یہی نقل ہوا ہے کہ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۔ (المومنون: ۳) (جو لغویات سے منہ موڑ لیتے ہیں) آپ کا ارشاد مبارک ہے …… من حسن اسلام المرء ترکه ما لا یعنیه (مواہب ص ۲۵۹) (انسان کے اسلام کی خوبی فضولیات اور لایعنی چیزوں کا چھوڑ دینا ہے)

(۱۰) و ترک الناس من ثلث تین امور ایسے تھے جن میں اشتغال سے آپ نے عام لوگوں کو بھی روک رکھا تھا۔ (۱) کان لا یذم احداً یعنی کسی کی نہ تو اس طرح منہ سامنے مذمت کرتے تھے اور نہ پیٹھ پیچھے ای مواجهة ولا غیر مواجهة (۲) ولا یعیبه ای فی الصفة یعنی نہ کسی کی عیب جوئی کرتے تھے کہ خواہ مخواہ کسی کے عیب تلاش کریں اور پھر اس کی تشہیر کریں۔ علامہ ملا علی قاری تحریر فرماتے ہیں: ای لا یذم فی الامور الاختیاریة المباحة و لا یعیب فی الاطوار الخلقیة الجبلیة کالطول و القصر و السواد ونحوها ۔ (جمع ج ۲ ص ۲۰۲) (نہ تو آپ ﷺ مباح امور اختیاریہ میں کسی کی مذمت اور برائی کرتے اور نہ فطری اور خلقی حالات و جہات جیسے کسی کا طویل یا کوتاہ ہونا یا کالا، گورا ہونا یا اس جیسے دوسرے امور کی عیب جوئی فرمایا کرتے) اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ

ایک دوسری روایت میں ولا یعیرہ نقل ہوا ہے، من التعییر وھو التوبیخ (جمع ج ۲ ص ۲۰۲) (اور نہ کسی کو عار اور ڈانٹا کرتے) و لا یطلب عورته یعنی آپ ﷺ کسی کی پردہ دری نہیں کرتے تھے۔

علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں ای عورة احد وھی ما یستحی منه اذا ظهر فالمعنی لا یظهر ما یرید الشخص ستره و یخفیه الناس عن الغیر ۔ (جمع ج ۲ ص ۲۰۲) (کسی شخص کا پردہ وہ ہوتا ہے کہ اگر وہ ظاہر ہو جائے تو اسے حیا آئے یعنی آپ ﷺ نہ ظاہر فرماتے وہ معیوب جو کوئی شخص اسے دوسروں سے چھپانا چاہتا یا جسے لوگ دوسروں سے چھپانا چاہتے ہیں) شیخ عبدالرؤفؒ لکھتے ہیں، و فیه تنبیه علی ان من دأب اهل کمال ان لا یصرحوا بمعایب ارباب النقصان ولا یتجسسوا علی الوقوف علی فجور ارباب القلوب ۔ (مناوی ج ۲ ص ۲۰۲) (اور اس میں تنبیہ ہے کہ کامل لوگوں کا یہ وتیرہ ہے کہ وہ (ظاہر یا اخلاقی لحاظ سے) ناقص اور کمزور لوگوں کے معیوب ظاہر نہیں کرتے اور نہ وہ اہل معصیت کے گناہ اور غلطیوں کے خبر گیری کے لئے جاسوسی کیا کرتے ہیں)

دو عبارتوں کا فرق :

علامہ مناویؒ حدیث شریف کے اس جملہ و ترک الناس من ثلاث اور پہلے جملہ قد ترک نفسه من ثلاث کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں، خصهم لان القصد بهذه الثلاث رعایتهم کما ان القصد بالثلاثة الاول رعایة نفسه فلذلک لم یقل ترک نفسه من ستة ولم یجعلها مما ترک نفسه منها فسقط قول البعض الاعیان لا فرق بینهما بمقتضی ظهوت البیان (مناوی ج ۲ ص ۲۰۲) (آپ ﷺ نے ترک الناس میں ثلاث (تین باتوں سے لوگوں کو بچا رکھا تھا) میں لوگوں کو اس لئے مخصوص فرما دیا کہ دراصل ان تین امور میں ان لوگوں کے (حقوق) کی رعایت اور نگہداشت ہی مقصود اور مد نظر تھی جیسے کہ پہلے تین امور میں اپنے نفس کی نگہداشت و حفاظت کو ملحوظ رکھا گیا اور اسی نقطہ کے پیش نظر یہ نہ فرمایا کہ اپنے آپ کو چھ چیزوں سے محفوظ رکھا اور ان تین امور کو اپنے نفس کے حرکات میں سے نہیں شمار کیا گیا۔ تو اس بیان فرق سے بعض قابل قدر شخصیات کا یہ کہنا بجا

نہیں کہ ان کے درمیان کوئی قابل بیان فرق نہیں ہے)

(۱۱) لا یتکلم الا فیما رجا ثوابہ آپ ﷺ صرف وہی گفتگو فرماتے تھے، جو باعث اجر وثواب ہوتی تھی یعنی گفتگو مبارک با مقصد، نافع اور مطلوب چیز میں ہوا کرتی تھی ای فی الشئی النافع المطلوب (احتمالات ص ۳۲۷) گویا آپ ﷺ کی کوئی بات، کوئی عمل اور کوئی اقدام ایسا نہ ہوتا تھا، جس پر اجر وثواب متوقع نہ ہوتا۔

(۱۲) واذا تکلم اطرق ...... اور جس وقت آپ ﷺ گفتگو فرماتے تو حاضرین مجلس نہایت ہی خاموش آنکھیں نیچے کئے ہوئے بیٹھتے، گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں، جو ذرا سی حرکت، بے خیالی اور بے جا بلنے سے اڑ جائیں گے۔ ای ارخوا رؤسهم الی الارض و نظروا الیها و اصغوا الیه لاستماع کلامه و لسرورهم و ابتهاج ارواحهم بمحادثه (مواہب ص ۲۵۹) (یعنی اپنے سروں کو جھکائے اور نظریں نیچے زمین کی طرف کئے ہوئے آپ ﷺ کے کلام کے سننے اور اس پر انتہائی خوش ہونے اور دل وجان کو تسکین وراحت پہنچانے کے لئے پوری توجہ اور کان لگا کر سنا کرتے تھے) والطیر لا یقع الا علی ساکن ساکت قال ......

اذا حلت بولیت عکاظا

رأیت علی رؤسهم الطیرا

(مناوی ج ۲ ص ۲۰۵)

(علامہ مناوی لکھتے ہیں کہ پرندے تو ساکن ساکت (خاموش غیر متحرک) پر ہی بیٹھا کرتے ہیں۔ شاعر کہتے ہیں کہ جب بولیت عکاظ (عرب کا مشہور بازار میلہ) وارد ہوتے ہیں تو ان کے سروں پر (بوجہ خاموشی وسنجیدگی) گویا کہ کوے بیٹھے ہیں)

اطرق، اطراق سے ہے، خاموش ہونے، چپ رہنے، نگاہ جھکا کر زمین کی طرف دیکھنے کو کہتے ہیں، الاطراق ان یقبل ببصره الی صدره و یسکت ساکتا (نہایہ) (اطراق کا معنی کہ پوری خاموشی کے ساتھ نظریں جھکائے دل کی طرف متوجہ ہونا) و کقولهم اطرق کرا ان النعامة فی القری (کافی ص ۳۰۶) (اطراق کا معنی سر کو

جھکانا۔ خاموش ہونا کلام عرب میں مستعمل ہے چنانچہ علامہ ابن حاجبؒ نے بحث منادیٰ میں اطرق کو اسی معنی میں استعمال کیا ہے۔ عرب لوگ کروان پرندے کو شکار کرنے کے لئے ایک منتر پڑھتے تھے۔ اطرق کرا اطرق کرا ان النعامة فی القری کہ اے کرا گردن خم کر دے۔ اے کرا گردن خم (نیچے) کر دے۔ بے شک شتر مرغ بستیوں میں (گرفتار کر کے پہنچایا جا چکا) ہے)

گویا صحابہ کرامؓ اور حاضرین مجلس آپ ﷺ کی صحبت مبارکہ میں ہمہ تن متوجہ رہ کر آپؐ کی طرف فیض آثار اور توجہات عظیمہ وعنایات رفیعہ سے مستفید ہوتے رہتے۔ حضور اقدسؐ کے علوم ومعارف، افادات ونصائح، ارشادات وہدایات اور انوار وتجلیات سے اپنے سینوں کو منور کرتے رہتے۔

فاذا سکت تکلموا ...... جب حضور اقدس ﷺ خاموش ہو جاتے تب صحابہ کرامؓ حسب ضرورت باہم گفتگو کرتے، فیه ایماء الی انهم لم یکونوا یبتدئون بالکلام و لا یتکلمون فی اثناء حدیثه کما هو مقتضی الادب۔ (مجمع ج ۲ ص ۲۰۵) (اس میں یہ اشارہ ہے کہ صحابہؓ نہ تو ابتداءً کلام کیا کرتے اور نہ ہی آپ ﷺ کی باتوں کے درمیان گفتگو کیا کرتے جیسا کہ یہی مقتضی ادب واحترام ہے)

(۱۳) لا یتنازعون عنده الحدیث ...... جب حضور اقدس ﷺ خاموش ہو جاتے، تب حضرات صحابہ کرامؓ آپس میں گفتگو کرتے، مگر پھر بھی ذات اقدس ﷺ اور مجلس اقدس کا اس قدر ادب واحترام ملحوظ رکھتے کہ اپنی گفتگو میں نہ تو کسی قسم کا نزاع کرتے اور نہ جھگڑے کی طرح ڈالتے اور نہ باہم الجھتے تا کہ آپ ﷺ کی خاطر عالی کے لئے تشویش کا باعث نہ ہو، لانه لا ینبغی التنازع و لا التخاصم فی حضرته۔ (احتمالات ص ۳۲۷)

ومن تکلم عنده ...... جو کوئی بھی بارگاہ اقدس میں عرض معروض کرتا تو باقی خاموش رہتے۔ آپ ﷺ کی تعلیم وتربیت کی برکت تھی کہ حاضرین وخدام آداب مجلس کو ملحوظ رکھتے، اور جب ایک اپنی بات مکمل کر لیتا تب دوسرا بات شروع کرتا، نہ تو دو یا دو سے زائد افراد بیک وقت بات شروع کرتے اور نہ ایک دوسرے کی بات کو کاٹتے تھے۔ اس لئے

کہ یہ آدابِ مجلس کے خلاف ہے فلا یتکلم عندہ اثنان معاً ولا یقطع بعضهم علی بعض کلامه لانه خلاف الادب۔ (مواہب ص ۲۵۹)

(۱۴) حدیثهم عنده حدیث اولهم ...... بارگاہِ نبوت میں ہر بات کرنے والے کی بات کو گویا اوّلیت حاصل تھی۔ ہر ایک کی بات اسی طرح سنی جاتی، جس طرح پہلے شخص کی بات سنی جاتی ہے، جس میں رغبت اور شوق ہوتا ہے، یعنی بے قدری اور بے توجہی سے بات نہیں سنی جاتی تھی یا معنی یہ ہے کہ ہر ایک کی بات ترتیب سے سنی جاتی تھی۔ ای یحدث عنده ماجاء اولا ثم من بعده علی الترتیب (اتحافات ص ۳۷۶) یا اول بمعنی افضل کے ہے یعنی آپ ﷺ ہر ایک کی بات کو اس طرح سنتے تھے، گویا وہ قوم کے افضل ترین اور فصیح اولین کی بات ہے۔ یا معنی یہ ہے کہ اول کہنے والے نے جو کہہ دیا گویا وہی سب کی بات ہے، گویا سب صحابہ کرامؓ معاملات میں متحد الآراء ہوتے تھے، جو غلبۂ محبت و انس کی علامت ہے۔

(۱۵) یضحک مما یضحکون منه ...... حضورِ اقدس ﷺ امراء، حکمرانوں اور متکبرین کی طرح اپنے رفقاء کار، خدام اور حاضرین سے الگ تھلگ نہیں رہتے تھے اور نہ کسی لہجے یا کسی ادا سے اپنی برتری یا اپنے فضل و تفوق کا اظہار ہونے دیتے تھے، بلکہ اپنے صحابہ میں گھل مل جاتے، وہ جس موضوع اور گفتگو میں مشغول ہوتے، آپ بھی اسی میں ان کے ساتھ شریک گفتگو ہو جاتے، اگر وہ کسی بات پر ہنس رہے ہوتے، تو آپ ﷺ بھی ان کی موافقت میں اسی سلسلہ گفتگو میں ہنس دیا کرتے اور اگر وہ کسی چیز پر تعجب کرتے تو آپ ﷺ بھی ان کے ساتھ اسی چیز پر تعجب کرنے لگتے" ای موافقة لهم و تطییباً لخاطرهم۔ (اتحافات ص ۳۷۶)

(۱۶) یصبر للغریب ... حضورِ اقدس ﷺ کسی مسافر یا اجنبی کی سخت گفتگو اور بے ادبی کے انداز سوال پر بھی صبر کرتے، یہاں تک کہ بعض صحابہ کرامؓ اجنبی اور مسافر لوگوں کو آپ ﷺ کی مجلس میں لے آیا کرتے کہ وہ سوال کریں، انہیں بھی فائدہ ہو اور سب کو استفادہ ہو، یعنی جس وقت کوئی اجنبی یا مسافر آپ ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوتا، چونکہ وہ

آدابِ مجلس اور آپ ﷺ کو مخاطب کرنے کے آداب سے ناواقف ہوتا تو جا و بے جا سوالات کرتا۔ اس کے لہجے میں درشتی، بے ادبی اور گنوار پن ہوتا، مگر حضورِ اقدس سرورِ دو عالم ﷺ اپنے کریمانہ اور بزرگانہ اخلاق کی بدولت ان پر گرفت نہ کرتے۔ عفو و درگزر فرما کر انتہائی صبر و تحمل، بردباری اور حلم کا مظاہرہ فرماتے، اور ان کی اس قسم کی روش پر توجہ نہ دیتے فقد ورد ان المؤمن الذی یخالط الناس و یصبر علی اذاهم افضل ممن یعتزلهم و قد کان صلی الله علیه و سلم اعلی الناس فی ذلک مقاما فقد اتاه ذو الخویصرة التمیمی فقال یا رسول الله اعدل فقال و یحک و من یعدل اذا لم اعدل فقد خبت و خسرت ان لم اعدل فقال عمر یا رسول الله ائذن لی اضرب عنقه فقال دعه رواه البیهقی عن ابی سعید۔ (مواہب ص ۲۶۰) (چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ وہ مسلمان جو لوگوں سے میل جول رکھتا ہے اور ان کی طرف سے تکالیف پر صبر کرتا ہے یہ زیادہ افضل ہے اس شخص سے جو لوگوں سے علیحدگی اور تنہائی میں رہتا ہے اور آپ ﷺ تو اس سلسلہ میں باقی لوگوں سے برتر اور اعلیٰ مقام پر فائز تھے چنانچہ ذوالخویصرۃ التمیمی جب آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا یا رسول اللہ! انصاف فرمائیے آپؐ نے جواباً ارشاد فرمایا تیرے اوپر افسوس ہو کہ میں اگر عدل و انصاف نہیں کر سکا تو پھر کون ایسا ہے جو عدل و انصاف کر سکے اور پھر تو میں خسارہ و نقصان میں رہا اگر میں عدل و انصاف نہ کر سکوں۔ تو (اس وقت) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے اجازت دیجئے یا رسول اللہ! کہ میں اس کی گردن اڑا دوں تو آپؐ نے فرمایا کہ اس بات کو چھوڑ دو)

(۱۷) و یقول اذا رایتم ...... آپ ﷺ اپنے صحابہؓ کو یہ بھی تاکید فرماتے رہتے تھے کہ جب کسی طالبِ حاجت کو دیکھو تو اس کی امداد کیا کرو، فارفدوه ای ساعدوه فی توصله فی حاجته (مناوی ج ۲ ص ۲۷۰) (تم اس کا ہاتھ بٹاؤ ضرورت اور حاجت تک رسائی میں)

(۱۸) ولا یقبل الثناء ...... عام طور پر منہ سامنے مدح و تعریف آپ کو گوارا نہ تھی۔ البتہ بطور شکریہ و اداءِ احسان کے کوئی آپ ﷺ کی تعریف کرتا تو سکوت اختیار فرماتے کہ

احسان کا شکریہ اس پر ضروری تھا کہ وہ اپنا ذمہ ساور فریضہ ادا کر رہا ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر تعریف حدود کے اندر ہوتی تو سکوت فرماتے اور اگر حدود سے تجاوز ہوتا تو روک دیتے تھے' ای لایقبل مدیحاً الا من انسان احسن الیه وصدوی فلک لعرض عنه و اشاح بوجهه (اتحافات ص۲۷۶) (آپ ﷺ اس انسان کی مدح و توصیف کو قبول فرمایا کرتے جس کے ساتھ کوئی احسان و بھلائی کی ہو اور اسکے علاوہ منہ سامنے مدح کرنے والوں سے اعراض فرمایا کرتے)

(۱۹) و لا يقطع على احد ...... آپ ﷺ کسی بھی شخص کی گفتگو منقطع نہ فرماتے۔ یہاں تک کہ وہ حد سے نہ بڑھ جاتا۔ پس اسے منع فرما کر بات ختم فرما دیتے یا اٹھ کر چلے جاتے۔ توجہ سے بات سنتا اور بات پوری کئے بغیر درمیان میں نہ ٹوکنا، آپ ﷺ کی عادت مبارک تھی حتی يجوز اور اگر بات کرنے والا کسی زیادتی کا مستحق ہوتا اور حد سے اور حق سے تجاوز کرتا، من المجاوزة اى حتى يجوز الحد او الحق و فى نسخة حتى يجور من الجور اى حتى يجور فى الحق بان يميل عنه (مواہب ص۲۶۰)

فيقطعه بنهى او قيام 'تو نرم لہجے' حکمت اور موزوں طریقے سے اسے روک دیتے یا پھر اٹھ کر چلے جاتے۔ اما بنهيى له عن الحديث ان افاد بان لم يكن معاندا او قيام من المجلس ان كان معاندا ۔ (یا اس کو بات کرنے سے روک دیتے اگر وہ معاند نہیں ہوتا تھا۔ اور اگر وہ معاند ہوتا تو پھر آپ ﷺ مجلس سے اٹھ کر تشریف لے جاتے) وفى هذا الحديث مالا يخفى من نهاية كماله صلى الله عليه وسلم و رفقه و لطفه و حلمه و صبره و صفحه و رالعفو رحمته و عظيم اخلاقه ۔ (مواہب ص۲۶۰)

(اس حدیث میں حضور ﷺ کے کمالات، نرم دلی، لطف و کرم، حلم و صبر، عفو و درگزر، شفقت و رحمت اور بلندی اخلاق کے حسین تذکرے واضح طور پر معلوم ہو رہے ہیں)

(۱۰/۳۳۸) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُوْلُ مَا سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا قَطُّ فَقَالَ لَا.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبد الرحمٰن بن مہدی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے سفیان نے محمد بن منکدر کے حوالے سے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ میں نے صحابی رسول حضرت جابر بن عبد اللہؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے کبھی کسی شخص کے کوئی چیز مانگنے پر انکار نہیں فرمایا۔

کمال سخاوت کی دلیل :

ماسئل رسول الله صلى الله عليه وسلم ...... حضور اقدس ﷺ سے کبھی بھی کوئی چیز نہیں مانگی گئی جس کے دینے سے آپ ﷺ نے انکار کر دیا ہو۔ یہ حدیث آپ ﷺ کی کمال سخاوت کی دلیل ہے۔ یعنی جس وقت بھی آنحضور ﷺ سے کسی نے کچھ مانگا تو آپ ﷺ نے انکار نہیں فرمایا، اگر اس وقت موجود نہیں ہوتا تو کسی سے قرض لے کر اس کے سوال کو پورا فرما دیتے یا دوسرے وقت پر دینے کا وعدہ کر لیتے یا اس کے حق میں دعا فرماتے کہ حق تعالی شانہ اس کو کسی اور طریقے سے عطا فرماویں۔ غرضیکہ نہ نہ فرماتے۔ اکثر اس طرح بھی ہوتا کہ ایک چیز ہے، جس کی آپ ﷺ کو خود ضرورت ہے اور مانگنے والا وہی چیز مانگتا ہے تو حضور ﷺ اپنی ضرورت کی پرواہ نہ فرماتے ہوئے سائل کو وہ چیز عطا فرما دیتے۔ یہی حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ سے جس کام کے بارے کہا جاتا، آپ ﷺ اسے کر گذرتے اور اگر ارادہ نہ ہوتا تو خاموشی اختیار فرماتے' مگر نہیں کسی کے جواب میں نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ اگر آپ ﷺ کے پاس اس وقت نہ ہوتا تو سائل سے فرماتے کہ کچھ انتظار کرو اگر میرے پاس کچھ آیا تو دے دوں گا۔ ایک بار اسی طرح کا واقعہ ہوا تو حضرت سیدنا امیر المؤمنین عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) اللہ تعالی نے طاقت سے بڑھ کر کسی کو کسی عمل کی تکلیف نہیں دی تو حضور ﷺ نے میری یہ بات ناپسند فرمائی عربی کا مشہور و معروف شاعر فرزدق آنحضور ﷺ کے اس اخلاق حمیدہ و جلیلہ کو اپنے قصیدہ کے ایک شعر میں اس طرح بیان کرتا ہے .... ـ

مَا قَالَ لَا قَطُّ اِلَّا فِیْ تَشَہُّدِہٖ
لَوْ لَا التَّشَہُّدُ کَانَتْ لَاءُہٗ نَعَمٗ

(صحیح ج۲ ص۲۸۸)

(آپ ﷺ نے کبھی لفظ لا تشہد کے علاوہ نہیں کہا۔ اگر تشہد (پڑھنا) نہ ہوتا تو پھر آپ ﷺ کا کلمہ لا بھی نعم (ہاں) ہوتا)

اور اسی مفہوم کو فارسی کے شاعر نے بھی ذیل کے شعر میں ادا فرمایا۔

نرفت لا بزبان مبارکش ہرگز
بجز در اشہد ان لا الہ الا اللہ

(کہ آپ ﷺ کی زبان مبارک پر بجز کلمہ شہادت کے لفظ لا کبھی نہیں آیا)

سوال و جواب :

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ حضور ﷺ نے تو بہت دفعہ کلمہ لا استعمال فرمایا ہے۔ جیسے کہ قرآن مجید میں بھی ہے۔ لا اجد ما احملکم علیہ (کہ میرے پاس تمہارے سوار ہونے کے لئے سواری نہیں) اور قبیلہ اشعریین کے وفد کو فرمایا واللہ لا احملکم و [illegible] (قسم بخدا ! میں تمہیں (کسی چیز پر) سوار نہیں کر سکتا) شیخ ابراہیم بیجوری نے اس سوال کے جواب کو ان الفاظ میں اشارہ کر دیا۔ والمراد انہ لم یقل لا منعاً للاعطاء فلاینافی انہ قالہ اعتذاراً ان لاق الاعتذار کما فی قولہ لا اجد ما احملکم علیہ او تادیباً للسائل ان لم یلق بہ الاعتذار کما فی قولہ للاشعریین واللہ لا احملکم فہو تادیب لہم لسؤالہم مالیس عندہ مع تحققہم ذلک ومن ثم حلف حسماً لطمعہم فی تکلیفہ التحصیل مع عدم الاضطرار الی ذلک (مواہب ص۲۲۱) (اصل مقصد یہ ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی نہ دینے کے لئے لفظ لا استعمال نہیں فرمایا تو اس توجیہ کی بناء پر یہ منافی نہ ہوا ان اقوال و روایات کے جن میں بطور معذرت کے بھی لا کا لفظ استعمال کیا ہو جیسے کہ لا اجد ما احملکم میں۔ یا بطور تادیب سائل کے ہو۔ جیسے کہ اشعریین کو آپ ﷺ کا فرمانا کہ واللہ لا احملکم تو اس کہنے میں اشعریین کو تنبیہ و تادیب مقصود تھی کہ تمہیں

باوجود معلوم ہونے کے اس چیز کا مطالبہ نہیں کرنا چاہئے جو آپ ﷺ کے پاس موجود نہیں ہے اس لئے تو ان کی طمع اور امید کو بالکل ختم کرنے کے لئے آپ ﷺ نے حلفاً یہ بات کہہ دی)

شیخ احمد عبدالجواد الدومی فرماتے ہیں: المعروف ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یسأل عن شیء الا کان یعطی سائلہ الحاجۃ المطلوبۃ او یدعو لہ او یعدہ بہا ثم یوفی لہ موعدہ (اتحافات ص۲۷۷) (آپ ﷺ کے متعلق یہی مشہور ہے کہ آپ ﷺ سے کسی چیز کا سوال نہ کیا جاتا مگر اس کو یا تو مطلوبہ ضرورت پوری فرما دیتے یا پھر اس کے لئے دعا فرما دیتے یا اس کے لئے دوسرے وقت میں دینے کا وعدہ فرماتے اور پھر اس وعدے کی وفا بھی کر دیتے)

(۳۳۹/۱) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عِمْرَانَ اَبُو الْقَاسِمِ الْقُرَشِیُّ الْمَکِّیُّ حَدَّثَنَا اِبْرَاہِیْمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِہَابٍ عَنْ عُبَیْدِ اللّٰہِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَیْرِ وَ کَانَ اَجْوَدُ مَا یَکُوْنُ فِیْ شَہْرِ رَمَضَانَ حَتّٰی یَنْسَلِخَ فَیَاْتِیْہِ جِبْرِیْلُ فَیَعْرِضُ عَلَیْہِ الْقُرْاٰنَ فَاِذَا لَقِیَہٗ جِبْرِیْلُ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَجْوَدَ بِالْخَیْرِ مِنَ الرِّیْحِ الْمُرْسَلَۃِ

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن عمران ابوالقاسم قرشی مکی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابراہیم بن سعد نے ابن شہاب کے حوالے سے بیان کیا۔ وہ یہ روایت عبیداللہ سے اور وہ صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اول تو تمام لوگوں سے زیادہ ہر وقت ہی سخی تھے۔ بالخصوص رمضان المبارک میں تمام مہینہ اخیر تک بہت ہی فیاض رہتے (کہ خود حضور ﷺ کی گیارہ مہینے کی فیاضی بھی اس مہینے کی فیاضی کے برابر نہ ہوتی تھی) اور اس مہینے میں بھی جس وقت حضرت جبرائیل تشریف لا کر آپ ﷺ کو کلام اللہ شریف سناتے اس وقت آپ ﷺ بھلائی اور نفع پہنچانے میں تیز بارش لانے والی ہوا سے

بھی زیادہ سخاوت فرماتے۔

راویانِ حدیث (٦١٦) عبداللہ بن عمرانؒ (٦١٧) ابراہیم بن سعدؒ اور (٦١٨) عبیداللہؒ کے حالات "تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

مراتبِ جود و سخا :

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجود الناس ...... شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں، کانت مراتب جودہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاثۃ (١) الجود العادی وھو فوق جود البشر (٢) جود أعلی منہ وھو فی رمضان (٣) جود اکبر و اکثر، و کان عند ملتقی جبریل و مدارسہ القرآن، والجود فی المحسوسات و المعنویات، و قد استفاضت الاخبار فی ان الدنیا لم تسکن قلبہ ابدا فقد کان یعطی عطاء الملوک، بل عطاء من لا یخشی الفقر ابدا۔ (اتحافات ص: ٢٧٨)

حضور ﷺ کی سخاوت کے تین درجے تھے۔ (١) جود عادی یعنی عام عادت کے مطابق جو سخاوت ہوتی ہے، وہ بھی دوسرے انسانوں سے زیادہ ہوتی تھی (٢) جو عام عادت کی سخاوت سے اعلیٰ ہو، وہ آپ ﷺ کی سخاوت ماہ مبارک رمضان شریف میں ہوتی (٣) ایک تیسری قسم کی سخاوت جو انتہائی زیادہ ہوتی، بلکہ مکرر ہوا کرتی، جبکہ آپ ﷺ سے جبریل امین کی ملاقات اور قرآن مجید کا دور ہوتا، اور یہ سخاوت ظاہری اور معنوی دونوں حیثیت سے ہوا کرتی تھی۔

باقی اس سلسلہ میں احادیث مشہورہ سے ثابت ہے کہ دنیا سے آپ ﷺ نے کبھی دل نہیں لگایا اور آپ ﷺ کی عطا (بخشش) شہنشاہوں جیسے ہوتی، بلکہ اس سے بھی بڑھ چڑھ کر اس شخص کی مانند جس کو فقر و فاقہ کا فکر و غم نہ ہو۔

ماہ مبارک میں سخاوت :

و کان اجود ما یکون فی شھر رمضان ...... اور آپ ﷺ رمضان شریف کا مکمل مہینہ بہت ہی سخاوت فرماتے ہوئے گزار دیتے تھے۔ یعنی ویسے تو آپ ﷺ ہر

حال میں اور ہر چیز کے مرحمت فرمانے میں انتہائی درجے کے سخی تھے۔ کوئی شخص بھی آپ ﷺ کی سخاوت کا مقابلہ نہیں کر سکتا (کہ کوئی بھی حضور ﷺ کی سخاوت کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا کہ خود فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے اور عطاؤں میں بادشاہوں کو شرمندہ کرتے تھے۔ نہایت سخت احتیاج کی حالت میں ایک عورت نے چادر پیش کی اور سخت ضرورت کے درجہ میں پہنی۔ جب ہی ایک شخص نے مانگ لی۔ اس کو مرحمت فرما دی۔ قرض لے کر ضرورتمندوں کی ضرورت پوری کرنا اور قرض خواہ کے سخت تقاضے کے وقت کہیں سے اگر کہیں کچھ آ گیا اور ادائے قرض کے بعد بچ گیا تو اسے وہ تقسیم نہ ہو جائے، گھر نہ جانا، ایسے مشہور واقعات اتنی کثرت سے ہیں کہ ان کا احاطہ ہو ہی نہیں سکتا) باوجود بخشش و عطا کے رمضان مبارک کا پورا کا پورا مہینہ سخاوت ہی فرماتے رہتے تھے۔ اَجْوَدُ مَا يَكُوْنُ. كَانَ کا اسم ہے اور فِی شَھْرِ رمضان خبر ہے اور ما مصدریہ ہے یعنی کَانَ کَوْنُہٗ اَجْوَدُ کَائِنًا فِی رَمَضَانَ یعنی آنحضور ﷺ کے بہت سخی ہونے کا وقت رمضان میں ہوتا تھا۔ چونکہ رمضان المبارک کے مہینہ میں دوسرے گیارہ مہینوں کے مقابلہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمتیں اور بخششیں بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ اس لئے حضور ﷺ بھی اس بابرکت مہینہ میں نیکیوں میں بہت ہی زیادہ انہماک فرماتے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی عنایات بے پایاں کو حاصل کرتے۔ نیز اللہ اس عظیم برکات والے مہینہ میں آنجناب ﷺ پر ہر قسم کی نعمتوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔ لہٰذا حضور ﷺ ان کا شکر بجالانے میں زیادہ سے زیادہ سخاوت فرماتے اور شارحین نے یہ بھی فرمایا ہے کہ چونکہ آپ ﷺ کی ذات ستودہ صفات مُتَخَلِّقٌ بِاَخْلَاقِ اللہ تھی۔ لہٰذا سنت الٰہی کی پیروی میں آپ ﷺ اس مہینہ میں مال و متاع کے ساتھ تمام لوگوں سے زیادہ سخاوت فرماتے تھے۔ بعضوں نے اجود کو منصوب پڑھا ہے۔ اس صورت میں وہ كَانَ کی خبر ہوگی اور كَانَ کا اسم ایک ضمیر مستتر ہوگی، جو آنحضور ﷺ کی طرف راجع ہے۔ بعض نے ما کو موصولہ یا موصوفہ بھی کہا ہے۔

حضرت جبرئیلؑ کے ساتھ قرآن کا دور :

فیلقاہ جبریل ...... رمضان المبارک میں حضرت جبرئیل حاضر ہو کر آپ ﷺ

کے ساتھ قرآن مجید کا دور کیا کرتے تھے۔ حدیث میں ہے یعنی جبریل کان یعارضہ القران فی کل سنۃ مرۃ و انہ عارضہ العام الوصال مرتین "جس برس وصال ہوا۔ اس میں دو (۲) مرتبہ آپ ﷺ کے ساتھ دور کیا۔

بے انتہاء سخاوت :

فبالیتہ میں فا تعلیل ما سبق کے لئے ہے یعنی رمضان شریف میں آپ ﷺ کی انتہائی سخاوت اس وجہ سے تھی کہ حضرت جبریل علیہ السلام کا ماہ مبارک کی ہر رات میں حاضری جیسی نعمت عظمیٰ حاصل ہوتی تھی۔ اسی سبب اجود نبیہ حین یلقاہ جبرئیل لہ کل لیلۃ من رمضان۔ (مناوی ج ۲ ص ۲۰۹) اجود بالخیر من الریح المرسلۃ' (اس ملاقات کے وقت آپ ﷺ کی سخاوت کا کوئی حساب نہیں لگا سکتا تھا اور کوئی احاطہ نہیں کر سکتا تھا۔ شیخ عبدالرؤفؒ تحریر فرماتے ہیں و عبر بالمرسلۃ اشعارا بدوام ھبوبھا بالرحمۃ وعموم النفع بجود المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کما تعم المرسلۃ ما تمر علیہ۔ (مناوی ج ۲ ص ۲۱۱) (اور اس راوی نے ریح (ہوا) کی تعبیر مرسلۃ سے اس لئے کی کہ اس میں یہ خبر دینا مقصود ہے کہ جیسے ریح مرسلہ کے فوائد ہر ان مواضع کو پہنچتے ہیں جہاں گزرتی اور بہتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح آپ ﷺ کا جود و کرم، سخاوت و رحمت کے منافع مخلوق میں سے ہر ایک فرد تک پہنچ بھی جاتے اور وہ اس سے مستفید بھی ہو جاتے ہیں)۔ اس مبارک وقت کی کیفیت شیخ عبدالرؤفؒ بیان کرتے ہیں: والحدیث مسوق لبیان القران الملائکۃ فی افضل الخلق بافضل کلام من افضل متکلم فی افضل وقت (مناوی ج ۲ ص ۲۱۲) (دراصل حدیث کے اسلوب بیان کی غرض فرشتوں کا افضل ترین متکلم (خداتعالیٰ) کی طرف سے مخلوق کی افضل ترین شخصیت (حضور ﷺ) کی طرف متبرک اوقات (ماہ رمضان) میں بہترین کلام (قرآن مجید) کو لے آنے کا تذکرہ ہے)

صحبتِ صالحین :

و فیہ ان صحبۃ الصالحین مؤثرۃ فی دین الرجل وعلمہ وللملک قالوا

قلۃ اھل الخیر عمارۃ القلوب (مناوی ج ۲ ص ۲۱۲) اور اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نیک لوگوں کی مجلس آدمی کے دین اور علم پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اس لئے مشائخؒ فرماتے ہیں کہ نیک اور بزرگوں کی ملاقات دلوں کی آبادی کا ذریعہ ہے۔

اخذِ مسائل :

و فیہ ندب اکثار الجود فی رمضان و مزید الانفاق علی المحتاجین فیہ و التوسعۃ علی عیالہ و اقاربہ و محبیہ و عند ملاقاۃ الصالحین و عقب مفارقتھم شکرا لنعمۃ الاجتماع بھم و ملازمۃ القران و جواز المبالغۃ والاغیاء فی الکلام کما ذکرہ القرطبی۔ (مناوی ج ۲ ص ۲۱۲)

اور حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ماہ مبارک میں سخاوت کی کثرت ہو، اور مسکین و نادار لوگوں پر زیادہ مال خرچ کیا جائے اور اپنے اہل عیال اور رشتہ داروں دوستوں اور نیک لوگوں کی ملاقات اور ان کے رخصتی اور واپسی کے وقت خرچ و خوراک میں وسعت اور فراخ دلی سے کام لیا جائے، تاکہ صالحین نیکوکار لوگوں کے اجتماع اور قرآن مجید کے دور کی برکات کا پورا پورا حق اور شکریہ بجالایا جاسکے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایسے اوقات اور مجالس میں محنت و مشقت برداشت کر کے بہت سے مبارک کلام سے مستفید ہونا چاہیے

ورحم اللہ صاحب البردہ حیث عبر عن جودہ بالزیادۃ فی قولہ .... ؎

فان من جودک الدنیا و ضرتھا
و من علومک علم اللوح و القلم

(مناوی ج ۲ ص ۲۱۲) (کیونکہ دنیا اور آخرت آپ کی بخششوں میں سے ہیں اور لوح و قلم آپ کے علموں میں سے ہیں)

(۱۳۰/۲) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدَّخِرُ شَيْئًا لِغَدٍ۔

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبہ بن سعید نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ

ہم کو اسے جعفر بن سلیمان نے ثابت کے حوالے سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت صحابی
رسول حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں
کہ حضور اقدس ﷺ دوسرے دن کے واسطے کسی چیز کو ذخیرہ بنا کر نہیں رکھتے تھے۔

ذخیرہ اندوزی سے احتراز :

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لایدخر شیئا لغد "حضور اقدس ﷺ
آنے والے دن کے لئے کسی چیز کا بھی ذخیرہ نہیں کرتے تھے۔ یعنی جو کچھ بھی آنحضور
ﷺ کے پاس ہوتا یا آنجناب کی خدمت اقدس میں پیش کیا جاتا، سب کا سب تقسیم فرما
دیتے۔ دوسرے دن کے لئے کچھ بھی نہ رکھتے۔ الشیخ یوسف النبہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے
ہیں :

نبی کریم ﷺ کے پاس جب بھی غنیمت، زکوٰۃ یا خراج وغیرہ کا سامان یا روپیہ
پیسہ آتا تو نہ اس پر رات گزرتی اور نہ دوپہر، یعنی اگر صبح سویرے آتا تو دوپہر سے پہلے آپ
ﷺ اسے تقسیم فرما دیتے اور اگر دن ڈھلے آتا تو رات آنے سے پہلے مستحق لوگوں میں
بانٹ دیتے۔ لوگوں میں سب سے زیادہ سخی تھے۔ درہم و دینار نے کبھی آپ ﷺ کے
ہاں رات نہیں گزاری، اگر کبھی کوئی چیز بچ گئی۔ اس کا لینے والا کوئی موجود نہ ہوا، تو آپ
ﷺ اس وقت تک مسجد سے اپنے حجرہ مبارک میں تشریف نہیں لے جاتے، جب تک وہ
بھی کسی ضرورتمند کو نہیں دے دی۔

شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں :

**ان عدم الادخار آیۃ عظیمۃ علی اعظم التوکل والایثار وھما من محاسن
الاخلاق** (مناوی ج ۲ ص ۲۱۲) یعنی کہ آنجناب ﷺ کا کسی چیز کا ذخیرہ نہ کرنا آنجناب
ﷺ کے عظیم توکل اور ایثار کی بہت ہی شاندار دلیل ہے اور یہ دونوں محاسن اخلاق سے ہیں

ایک شبہ اور اس کا جواب :

اگر یہ اشکال کیا جائے کہ احادیث میں یہ وارد ہوا ہے کہ حضور ﷺ اپنے اہل

بیت (گھرانے) کے لئے ذخیرہ کر لیتے تھے۔ **ففی الصحیحین انہ صلی اللہ علیہ
وسلم کان یدخر لاھلہ قوت سنتھم** (جمع ج ۲ ص ۲۱۲) (بخاری اور مسلم میں ہے کہ آپ
ﷺ اپنے اہل وعیال کے لئے ایک سال کی غذا ذخیرہ کر لیا کرتے) شارحینؒ حدیث اس
کی تطبیق اور جواب میں فرماتے ہیں کہ ایک ہے اپنے لئے ذخیرہ کرنا اور ایک ہے اہل و
عیال کے لئے تو چونکہ حضور ﷺ کا توکل کامل تھا اس لئے آپ ﷺ **ادخار لغد**
نہیں فرماتے تھے۔ اور اہل وعیال کے توکل میں چونکہ کچھ ضعف تھا، اس لئے ان کے
سالانہ نفقہ کا انتظام فرما لیتے۔ اور یا اس لئے تاکہ آپ ﷺ کا یہ طرز (اپنے لئے ذخیرہ نہ
کرنا اور اہل خانہ کے لئے کرنا) آپ ﷺ کی امت کے عیال داروں اور مجردین
(کنبہ نہ رکھنے والوں) کے لئے سنت جاریہ ہو سکے)

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، **لکمال توکلہ علی ربہ و قد یدخر لعیالہ قوت
سنتھم لضعف توکلھم بالنسبۃ الیہ صلی اللہ علیہ وسلم و لیکون سنۃ للمعیلین**
(عیالدار) **من امتہ و للمتجردین من اھل ملتہ**، بلکہ حضور ﷺ توکل تام کی وجہ سے
اہل وعیال کا ذخیرہ بھی قبل از وقت حاجتمندوں میں تقسیم فرما دیتے، تو گویا ایک حیثیت سے
لا یدخر شیئا لغد علی الاطلاق (یہ بھی کہ آپ ﷺ کل آئندہ کے لئے عام طور پر
کوئی چیز ذخیرہ نہ کیا کرتے) بھی صحیح ہو جاتا ہے، جیسے اسی مقام میں ملا علی قاریؒ فرماتے
ہیں، **والاولی ان یجمع بانہ کان یدخر لھم قوت سنتھم ثم من جودہ و کرمہ
علی الوافدین والمحتاجین کان یفرغ زادھم قبل تمام السنۃ** (جمع ج ۲ ص ۲۱۲)

علامہ مناویؒ نے اس جواب پر کچھ اضافہ فرماتے ہوئے لکھا، **وبعضہ لجواز
الادخار ...... فادخارہ لم یکن لخشیۃ العدم بل لاجل الکرم** (مناوی ج ۲ ص ۲۱۲)
(ہو سکتا ہے آپ ﷺ کا ذخیرہ کر لینا صرف بیان جواز کے لئے ہو تو گویا حضور ﷺ کا
ذخیرہ کرنا غذا کے معدوم ہونے کے خوف سے نہ تھا بلکہ اس لئے کہ (بوقت ضرورت)
لوگوں سے جود و کرم کا برتاؤ کیا جا سکے)

حضرت علامہ ملا علی القاریؒ فرماتے ہیں :

وجه مناسبة الحديث بعنوان الباب ان الكرم والجود والتوكل والاعتماد علي واجب الوجود دون الخلق من كمال الخلق (جمع ج۲ ص۱۴۳) اس حدیث شریف کی عنوان باب سے یہ وجہ مناسبت ہے کہ کرم، سخاوت، توکل اور واجب الوجود پر اعتماد سوائے مخلوق کے کمال خلق سے ہے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا تحریر فرماتے ہیں:

یعنی جو چیز ہوتی کبھا بنا کر ختم فرما دیتے۔ اس خیال سے کہ کل کو ضرورت ہوگی۔ اس کو محفوظ نہ رکھتے تھے۔ یہ حضور اکرم ﷺ کا غایت توکل تھا کہ جس مالک نے آج دیا ہے، وہ کل بھی عطا کرے گا۔ یہ اپنی ذات کے لئے تھا۔ بیویوں کا نفقہ ان کے حوالے کر دیا جاتا کہ وہ جس طرح چاہیں تصرف کریں۔ چاہیں رکھیں یا تقسیم کر دیں۔ مگر وہ بھی تو حضور ﷺ ہی کی بیویاں تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک مرتبہ دو گونیاں درہموں کی نذرانے کے طور پر پیش کی گئیں، جن میں ایک لاکھ سے زیادہ درم تھے۔ انہوں نے طباق منگوایا اور بھر بھر کر تقسیم فرما دیا، خود روزہ دار تھیں۔ افطار کے وقت ایک روٹی اور زیتون کا تیل تھا، جس سے افطار فرمایا۔ باندی نے عرض کیا کہ ایک درم کا اگر آج گوشت منگا لیتیں تو آج ہم اسی سے افطار کر لیتے۔ ارشاد فرمایا کہ اب طعن دینے سے کیا ہو سکتا ہے اس وقت یاد دلا دیتی تو میں منگا دیتی (خصائل)

(۳۳۶/۱۳) حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ مُوسَى بْنِ أَبِي عَلْقَمَةَ الْفَرْوِيُّ الْمَدَنِيُّ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ هِشَامِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ أَنْ يُعْطِيَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عِنْدِي شَيْءٌ وَلَكِنِ ابْتَعْ عَلَيَّ فَإِذَا جَاءَنِي شَيْءٌ قَضَيْتُهُ فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَدْ أَعْطَيْتَهُ فَمَا كَلَّفَكَ اللَّهُ مَا لَا تَقْدِرُ عَلَيْهِ فَكَرِهَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْلَ عُمَرَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنْفِقْ وَلَا تَخَفْ مِنْ ذِي الْعَرْشِ إِقْلَالًا فَتَبَسَّمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعُرِفَ الْبِشْرُ فِي وَجْهِهِ لِقَوْلِ

الْأَنْصَارِيِّ ثُمَّ قَالَ بِهَذَا أُمِرْتُ۔

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ہارون بن موسیٰ بن علقمہ فروی مدنی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت میرے باپ نے ہشام بن سعد کے حوالے سے بیان کی۔ انہوں نے یہ حدیث زید بن اسلم سے اور انہوں نے اسے اپنے باپ سے روایت کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی ضرورتمند نے حضور اقدس ﷺ سے کچھ سوال کیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس تو اس وقت کچھ موجود نہیں ہے۔ تم میرے نام سے خرید لو، جب کچھ آ جائے گا تو میں ادا کر دوں گا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (ﷺ) آپ کے پاس جو کچھ تھا آپ دے چکے ہیں اور جو چیز آپ کی قدرت میں نہیں ہے، اس کا حق تعالیٰ شانہٗ نے آپ کو مکلف نہیں بنایا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کو حضرت عمرؓ کا یہ مقولہ ناگوار گزرا تو ایک انصاری صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) جس قدر بھی چاہے خرچ کیجئے اور عرش کے مالک سے کمی کا اندیشہ نہ کیجئے (کہ جو ذات پاک عرش بریں کی مالک ہے اس کے یہاں آپ کو دینے میں کیا کمی ہو سکتی ہے) حضور اکرم ﷺ کو انصاری کا کہنا بہت پسند آیا اور حضور اکرم ﷺ نے تبسم فرمایا، جس کا اثر چہرۂ مبارک پر ظاہر ہوتا تھا اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے مجھے اسی کا حکم فرمایا ہے۔

راویان حدیث (۶۱۹) ہارون بن موسیٰ" (۶۲۰) ابی اور (۶۲۱) ہشام بن سعد" کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

قرض دلوا کر سائل کی حاجت پوری کر دیتے:

فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ماعندی شیء ...... حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔ ای لیس فی ملکی شیء موجود (جمع ج۲ ص۱۴۳) (یعنی میرے ملکیت میں تو کوئی چیز بھی موجود نہیں) جو لینا ہے وہ خرید لے اور اس کی قیمت میرے ذمہ ہے یعنی مطلوبہ چیز حسب ضرورت بازار سے خرید لے۔ اس قرض کی ادائیگی میرے ذمہ ہوگی۔ حضرت بلالؓ فرماتے ہیں جب کوئی شخص مسلمان ہو کر حاضر

خدمت ہوتا' اسے کپڑے کی ضرورت ہوتی تو آپ ﷺ مجھے اس کے لئے لباس کا بندوبست کرنے کا حکم دیتے۔ میں کہیں سے قرض وغیرہ لے کر اس کو کپڑے بنوا دیتا، کھانا کھلا دیتا، پھر بعد میں حضور اقدس ﷺ اس قرضہ کی ادائگی فرما دیتے۔

جود و سخا کے واقعات :

خود نبی کریم ﷺ کا حضرت بلالؓ سے بھی یہی ارشاد ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت بلالؓ کے پاس کھجوروں کی ایک ڈھیری لگی ہوئی دیکھی۔ حضور اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا یہ کیا ہے؟ عرض کیا کہ آئندہ کی ضروریات کے لئے روک لیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، تجھے اس کا ڈر نہیں ہے کہ اس کی بدولت کل قیامت کے دن جہنم کا کچھ دھواں تجھ تک پہنچ جائے۔ اس کو ارشاد فرمایا انفق بلالاً ولا تخش من ذی العرش اقلالا۔ اے بلال! خرچ کر اور عرش کے مالک سے کمی کا اندیشہ نہ کر۔ حضور اکرم ﷺ کی سخاوت اور کرم کے واقعات جس کثرت سے ہیں، ان کے احاطہ کی کس کو طاقت ہے۔ اس کرم کے لئے یہ بھی ضروری نہ تھا کہ حضور اکرم ﷺ کے پاس موجود ہی ہو۔ ضرورتمندوں کے لئے قرض لے کر ان پر خرچ کرنا حضور اکرم ﷺ کا عام معمول تھا، جیسا کہ اوپر کی حدیث میں خود موجود ہے۔ ایک شخص نے حضرت بلالؓ سے پوچھا کہ حضور اکرم ﷺ کے اخراجات کی کیا صورت تھی۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ کے پاس تو کچھ رہتا ہی نہ تھا۔ میں ہی اخیر تک اس کا منتظم رہا۔ عادت شریفہ یہ تھی کہ جب کوئی مسلمان ہو کر حاضر خدمت ہوتا اور آپ ﷺ اس کو ننگا دیکھتے تو مجھے اس کے انتظام کا حکم فرماتے۔ میں کہیں سے قرض لے کر اس کے کپڑے بنواتا اور کھانے کا انتظام کرتا۔ ایک دن مشرکین میں سے ایک شخص میرے پاس آیا اور آ کر کہنے لگا کہ مجھے بڑی وسعت حاصل ہے، تمہیں جو کچھ قرض لینا ہو، مجھ سے لے لیا کرو اور کسی سے قرض لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اس سے قرض لینے لگا۔ ایک دن میں وضو کر کے اذان کہنے ہی کو تھا کہ وہ مشرک چند تاجروں کو ساتھ لیے ہوئے آئے اور مجھے دیکھ کر کہنے لگا او حبشی! میں نے کہا حاضر ہوں۔ وہ نہایت ترش روئی سے مجھ کو برا بھلا کہنے لگا اور کہا کہ

اس مہینے کے ختم میں کتنے دن باقی ہیں۔ میں نے کہا کہ مہینہ تو ختم ہونے کے قریب ہے۔ کہنے لگا کہ چار دن باقی ہیں، اگر اس وقت تک قرضہ ادا نہ کیا تو تجھے قرضہ میں غلام بنا لوں گا اور جیسا کہ پہلے غلامی کی حالت میں بکریاں چرایا کرتا تھا، وہی صورت پھر ہو جائے گی۔ حضرت بلالؓ کہتے ہیں کہ اس کی یہ باتیں سن کر جو لوگوں پر گزرتی ہے، وہ مجھ پر بھی گزری۔ میں عشاء کی نماز کے بعد حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ سارا قصہ سنا کر عرض کیا کہ حضور! اتنی جلدی انتظام کیا ہو سکتا ہے کہ ادائگی کے لئے نہ آپ ﷺ کے پاس کچھ ہے نہ میرے پاس۔ میں روپوش ہو جاؤں گا۔ جب آپ ادائگی فرما دیں گے میں حاضر ہو جاؤں گا۔ ورنہ وہ مجھے سخت ذلیل کرے گا۔ صبح کی نماز سے قبل ایک شخص دوڑتا ہوا آیا کہ حضور اکرم ﷺ بلا رہے ہیں۔ میں حاضر ہوا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ جل شانہٗ نے تیرے قرضہ کا انتظام کر دیا۔ یہ چار اونٹنیاں جو سامان سے لدی ہوئی کھڑی ہیں، یہ فدک کے حاکم نے ہدیہ بھیجا ہے۔ میں نے صبح کو وہ سب قرضہ بے باق کر دیا اور حضور اکرم ﷺ کو اطلاع دی کہ اللہ جل شانہٗ نے قرضہ سے آپ کو سبکدوش کر دیا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس سامان میں سے کچھ بچا ہے یا نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ کچھ بچ گیا۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اس کو تقسیم کر دے کہ مجھے راحت ملے۔ شام ہو گئی کچھ پھر بھی بچ گیا۔ عشاء کے بعد حضور اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا، میں نے عرض کیا کہ مستحقین آئے ہی نہیں ابھی کچھ باقی ہے تو حضور اکرم ﷺ نے وہ رات مسجد میں گزاری، مکان پر تشریف نہیں لے گئے۔ دوسرے دن عشاء کے بعد پھر دریافت فرمایا۔ میں نے عرض کیا کہ اللہ جل شانہٗ نے اس کے بارے آپ کو سبکدوش فرمایا کہ وہ سب تقسیم ہو گیا۔ تب حضور اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اپنے مکان تشریف لے گئے۔ (ابوداؤد)

حضرت عمرؓ کی رائے پر ناگواری :

فقال عمرؓ ...... تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے تو اسے عطا فرمادیا فما کلف اللہ مالا تقدر علیہ۔ یعنی اللہ نے آپ ﷺ کو اس چیز کی جس پر

آپ کو قدرت نہیں ہے مکلف نہیں بنایا، یعنی من امره بالشراء و وعده بالقضاء (مجمع ج ۲ ص ۲۱۲) (اس شخص کو یہ کہہ دیا کہ جاؤ آپ خرید لیں اور اس کو قرضہ میں ادا کر دوں گا) یعنی نرم جواب بھی تو بمنزلہ عطا و بخشش کے ہے۔ سو وہ تو آپ ﷺ نے اسے دیدیا ہے یا جو چیز آپ ﷺ کے پاس تھی مرحمت فرمادی اور اب جبکہ آپ ﷺ کے پاس کچھ بھی موجود نہیں ہے تو خواہ مخواہ لوگوں کے قرضے اپنے ذمہ کیوں لیتے ہیں، جبکہ اللہ پاک نے بھی یہ کام آپ کے سپرد نہیں کیا ہے کہ آپ ﷺ لوگوں کے قرضے ان کی جگہ ادا کریں۔

فكره النبی صلی اللہ علیہ وسلم ...... یعنی حضور اقدس ﷺ کو حضرت عمرؓ کی یہ بات کچھ پسند نہ آئی، کیونکہ ایک سائل نامراد واپس لوٹتا تھا، جو آپ ﷺ کے اخلاق کریمانہ سے بعید تھا، مگر یاد رہے کہ ناگواری خاطر کی وجہ یہ نہ تھی کہ حضرت عمرؓ کی یہ رائے خلاف شریعت تھی بلکہ اس لئے کہ اس سے سائل کی ناامیدی اور محرومی مستلزم ہوتی تھی۔

علامہ مناویؒ فرماتے ہیں ای من حیث استلزامه قنوط السائل و حرمانه لا لمخالفته للشرع۔ (مناوی ج ۴ ص ۲۱۲)

ایک انصاری کی رائے کو پسند فرمایا :

فقال رجل من الانصار ...... انصار میں سے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! خرچ کیجئے کسی قسم کا خوف صاحب عرش سے نہ کیجئے۔ اقلالا ای خشیا من الفقر و زاد فی المناج ان معناه الافتقار و الاحتیاج (مجمع ج ۲ ص ۲۱۲) یعنی کسی قسم کا فکر و اندیشہ یا غم نہ کیجئے و الملق و المرفوق علیک (اتحافات ص ۲۲۹) اور خرچ کیجئے اگرچہ آپ ﷺ کی قدرت سے زیادہ بھی ہو، اللہ کریم اپنی بارگاہ عالیہ سے وہ کچھ عطا فرمادے گا جو اور کسی کو عطا نہیں فرماتا۔

فتبسم ...... اس پر حضور اقدس ﷺ نے تبسم فرمایا۔ انصاری کی اس بات سے بہت خوش ہوئے۔ طبیعت اور چہرۂ انور سے اس کا اظہار بھی ہونے لگا، جیسا کہ راوی نے کہا ہے کہ رخ انور پر فرحت کی اور تازگی ظاہر ہو رہی تھی۔ وعرف فی وجهه البشر ای الطلاقة والبشاشة (مواہب ص ۲۴۳) فانفرجت اسارير المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم و عرف

البشر فی وجهه۔ (اتحافات ص ۲۲۹) بهذا امرت۔ یعنی مجھے یہی حکم کیا گیا کہ میں اللہ کی راہ میں ہر وقت خرچ کرتا رہوں اور کسی کی کا خوف نہ کروں ای لا بقول عمر کما افاده تقديم الجار والمجرور والمعنی بالانفاق الذی قاله الانصاری امرت لا بالمنع الذی قاله عمر۔ (مواہب ص ۲۴۳) (یعنی مجھے حضرت عمرؓ کی بات کا حکم نہیں کیا گیا ہے کہ یہی معنی جار مجرور (یعنی بهذا) کی تقدیم سے معلوم ہو رہے ہیں اور مطلب یہ ہوا کہ مجھے ایسے خرچ کرنے کا حکم ہے جیسے کہ انصاریؓ کہہ رہے ہیں نہ اس خرچ کے روکنے کا جیسے کہ حضرت عمرؓ فرما رہے ہیں)

اخذ و استنباط :

شیخ ابراہیم الباجوریؒ فرماتے ہیں، ویؤخذ من هذا الحديث انه صلی اللہ علیہ وسلم كان فی غاية الكرم و الجود و مما ينبغی التنبه له ان كل خصلة من خصال الفضل قد احل الله نبيه فی اعلاها و خصه بذروة سنامها (مواہب ص ۲۴۳) (اور اس حدیث سے آپ ﷺ کا کرم اور سخاوت کے انتہائی اعلیٰ درجہ پر فائز ہونا معلوم ہوتا ہے اور جس چیز پر تنبیہ ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اخلاق و عادات فاضلہ میں سب سے اعلیٰ و بلند ترین خصلت پر ہونے کا حکم وارشاد فرمایا ہے)

(۳۳۳/۳) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا شَرِيكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَاءَ قَالَتْ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقِنَاعٍ مِنْ رُطَبٍ وَاَجْرٍ زُغْبٍ فَاَعْطَانِي مِلْءَ كَفِّهِ حُلِيًّا اَوْ ذَهَبًا۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن حجر نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے شریک نے عبداللہ بن محمد بن عقیل کے حوالے سے بیان کیا۔ انہوں نے ربیعؓ بنت معوذ بن عفراء سے یہ روایت نقل کی۔ ربیعؓ کہتی ہے کہ میں ایک طباق کھجوروں کا اور کچھ چھوٹی چھوٹی ککڑیاں لے کر حاضر خدمت ہوئی تو حضور اقدس ﷺ نے اپنا دست مبارک بھر کر سونا اور زیور مرحمت فرمایا۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

قناع ' مراد طبق ہے جس کو ہم اردو میں طباق کہتے ہیں، جس پر کھانا کھاتے ہیں۔ اس کو قنع بھی کہتے ہیں۔ کھجور کی لکڑی کی تھالی، جس میں کھانا رکھا جاتا ہے۔ رطب ' تازہ کھجور اور پختہ تازہ کھجور کو کہتے ہیں۔ اجر ' جرو کی جمع ہے۔ چھوٹی چیز انار ہو یا خربوزہ یا ککڑی اس کی جمع اجراء اور اجر آتی ہے۔ جمع الجمع اجریۃ آتی ہے۔ زغب ' ہموار روئیں، بال اور پر کا نکلنا ' اصل میں زغب ان روئیں کو کہتے ہیں جو شروع میں چوزے کے بدن پر نکلتے ہیں یہاں مراد ککڑی ہے، جس پر خفیف اور ہلکی سی روئیں ہوتی ہیں۔

فلات بہت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ...... اس سے قبل بھی یہ حدیث حضور اقدس ﷺ کے صفتِ فواکہ کے بیان میں گذر چکی ہے اور اس کی شرح وہیں لکھی جا چکی ہے۔ وہاں باب سے مناسبت تھی۔ پھلوں کا ذکر تھا، یہاں آپ ﷺ کے کریمانہ اخلاق کے مناسبت سے درج ہوئی ہے کہ آپ ﷺ نے تحفہ لانے والی خاتون کو خالی واپس نہیں لوٹایا، بلکہ زر و زیورات سے سرفراز فرمایا۔ یہ آپ ﷺ کی اعلیٰ ظرفی اور بلند اخلاقی تھی، ورنہ یہ چیز نہ واجب ہے اور نہ ضروری۔

(۳۳۳/۱۵) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ وَيُثِيبُ عَلَيْهَا۔

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن خشرم اور بہت سے دوسرے لوگوں نے یہ حدیث بیان کی وہ کہتے ہیں کہ ہم کو عیسیٰ بن یونس نے ہشام بن عروہ کے حوالے سے خبر دی اور انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی۔ انہوں نے ام المومنین عائشہ صدیقہ سے نقل کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ہدیہ قبول فرماتے تھے اور اس پر بدلہ بھی دیا کرتے تھے۔

ہدیہ لینا اور بہترین بدلہ دینا :

کان یقبل الھدیۃ ...... حضور اقدس ﷺ ہدیہ تحفہ قبول فرماتے تھے اور اس کا بدلہ بھی عطا فرماتے تھے، جیسا کہ اس سے قبل والی حدیث میں مثال گذر چکی ہے کہ کھجوروں اور ککڑیوں کے بدلے مٹھی بھر زر و زیورات عنایت فرمائے۔ یہی آپ ﷺ کا معمول تھا۔ بدلہ کی صورت میں ہدیہ دینے والے کی دلداری بھی فرماتے تھے اور ہدیہ دینے میں بظاہر جو اسے نقصان ہوا، اس کو اس سے بچا لیتے تھے، بلکہ آپ ﷺ اپنے معمول کے مطابق بدلہ ہدیہ سے بڑھ کر دیا کرتے تھے، جس سے ہدیہ دینے والے کا نفع ہوتا تھا۔ اس لئے بعض روایات میں ویثیب خیرا منھا کی تصریح آئی ہے۔

تنبیہ :

علامہ بیجوری باب ھذا کے آخر میں بطور تنبیہ کے لکھتے ہیں :

واعلم ان اخلاقہ صلی اللہ علیہ وسلم وھدیہ وسیرتہ ھی المیزان الاکبر تعرض علیھا الاشیاء فما وافقھا فھو المقبول وما خالفھا فھو المردود (مواہب ص ۲۴۳)

(یہ بات بخوبی معلوم کرلیں کہ آپ ﷺ کے اخلاق، طریقے اور سیرت مبارکہ بھی وہ بڑی ترازو ہے جس پر (سب لوگوں) کے (اعمال و کارنامے) پیش کیے جاتے ہیں تو جو آپ ﷺ کی سیرت اور طریقے سے موافق ہوں گے تو وہ (اللہ تعالیٰ کے نزدیک) مقبول ہیں اور جو اس کے مخالف ہوں گے تو وہی مردود ہوں گے)۔

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ حَیَآءِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

باب ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاء کے بیان میں

لفظ حیاء کا لغوی معنی تغیر وانکسار ہے۔ (مجمع ج ۱ ص ۳۲۶) جب بالقصر پڑھا جائے تو معنی بارش ہے اور جب بالمد پڑھا جائے تو کسی چیز سے متقبض ہونے اور اسے ملامت کے خوف سے چھوڑ دینے کے معنی میں آتا ہے۔ شرعاً حیاء کے معنی ہیں، ھو خلق یبعث علی تجنب القبیح و یمنع علی ارتکاب الحسن و معصیۃ التقصیر فی حق ذی الحق (مواہب ص ۲۴۳) یعنی وہ خلق ہے جو افعال قبیحہ سے اجتناب کا باعث ہو۔ حسنات کے ارتکاب کا محرک ہو اور صاحب حق کے حق کی تقصیر کرنے سے مانع ہو۔ حیاء بالقصر ہو یا بالمد دونوں حیاۃ سے ماخوذ ہیں، وکلاھما ماخوذ من الحیاۃ فمن استعما حیاۃ الارض والآخر حیاۃ القلب (مجمع ج ۱ ص ۳۲۶) (ان میں سے ایک (حیاء بالقصر) تو زمین کی زندگی (آبادی) ہے اور دوسرا (حیاء بالمد) وہ دل کی حیات وزندگی ہے)

حیاء کی فضیلت واہمیت :

احادیث میں حیاء کی تاکید آئی ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے "الحیاء شعبۃ من الایمان" حیاء ایمان کی ایک شاخ ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے، ان لکل دین خلقا، وان خلق الاسلام الحیاء۔ (ابن ماجہ) یقیناً ہر دین کے لئے ایک خلق ہے، اور اسلام کا خلق حیاء ہے۔ حضرت ابو بکرۃؓ سے روایت ہے، الحیاء من الایمان والایمان فی الجنۃ (ابن ماجہ) حیاء ایمان کی نشانی ہے اور ایمان کا ہونا جنتی ہوتا ہے۔ عمران بن حصین حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں، الحیاء لایاتی الا بخیر۔ (بخاری)

حیاء سے بھلائی ہی پیدا ہوگی اور ایک حدیث میں آیا ہے "الحیاء کلہ خیر (مسلم) یعنی حیاء میں بہتری ہی بہتری ہے۔ ایک اور ارشاد ہے "لا دین لمن لاحیاء لہ (جس میں حیاء نہیں ہے اس میں کوئی دین نہیں ہے)

اس باب کو مستقلاً نقل کیا گیا ہے کہ حیاء ایک مستقل خلق ہے۔ مناسبت اہتمام غرض تھی کہ خالق اور مخلوق دونوں کے ساتھ معاملات میں حیاء پر ایک مستقل مدار ہے۔ ولعل الافراد فی ترجمۃ اشارۃ الی عظم شانہ (اتحافات ص ۲۸۶) (اور اس کو مستقل عنوان سے ذکر کرنے میں اس کے عظیم الشان ہونے کا اشارہ ہے) ولان بہ حسن المعشرۃ للخلق والمعاملۃ للحق (مواہب ص ۲۴۲) (اور حیاء ہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے اچھا معاملہ اور مخلوق کے ساتھ حسن برتاؤ قائم رہتا ہے) حضور اقدس ﷺ کی حیاء کا یہ عالم تھا کہ کسی چہرہ پر نظریں گاڑ کر گفتگو نہیں فرماتے تھے، اگر اپنی منشاء کے خلاف کوئی بات کہنا چاہتے تو اشاروں کنایوں میں کہتے۔ قضاء حاجت کی ضرورت پیش آتی، تو لوگوں سے دور کسی میدان میں چلے جاتے اور اس وقت تک کپڑا اوپر نہ اٹھاتے، جب تک زمین پر بیٹھ نہ جاتے۔ شیخ عبدالرؤفؒ نے حیاء کی چار قسمیں نقل کی ہیں۔

حیاء کے اقسام :

علماء نے لکھا ہے کہ حیاء کئی قسموں کی ہوتی ہے۔ ایک کرم کی حیاء کہلاتی ہے، جیسا کہ حضور اقدس ﷺ نے جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ولیمہ کیا تو کھانے سے فارغ ہونے کے بعد چند لوگ بیٹھے رہے اور باتوں میں مشغول رہے۔ نبی اکرم ﷺ پر ان کا بیٹھنا بار تھا اور بار بار کبھی باہر تشریف لے جاتے تھے، کبھی اندر تشریف لاتے تھے، مگر شرم کی وجہ سے ان کو اٹھنے کا حکم نہیں فرمایا۔ قرآن پاک میں بھی سورۂ احزاب کے اخیر کے قریب اس قصہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ دوسری قسم عاشق کی اپنے محبوب سے شرم ہوتی ہے کہ بولنا بھی دشوار ہوتا ہے ـــــ

شوق افزوں مانع عرض تمنا داب حسن
بارہا دل نے اٹھائے ایسی لذت کے مزے

تیسری قسم بندگی کی شرم ہوتی ہے کہ بندگی میں اپنے آپ کو قاصر پائے اور مولا سے شرم میں بڑھتا جائے۔

چوتھی قسم خود اپنی ذات سے شرم ہوتی ہے کہ آدمی ہمت سے کسی کام کو شروع کرے اور اس میں کوئی نقص رہ جائے تو خود اپنے سے شرم آنے لگتی ہے کہ ذرا سا کام بھی نہ ہوا۔ کہتے ہیں کہ یہ شرم کا اعلیٰ درجہ ہے جو شخص خود اپنے سے شرماتا ہے، وہ دوسرے سے بطریق احسن و اولیٰ شرمایا کرتا ہے (مناوی ج ۲ ص ۲۱۶)

امام ترمذیؒ نے اس باب میں دو حدیثیں نقل کی ہیں۔

(۳۳۳/۱) حدثنا محمود بن غيلان حدثنا ابو داود حدثنا شعبة عن قتادة قال سمعت عبد الله بن ابي عتبة يحدث عن ابي سعيد الخدري قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اشد حياء من العذراء في خدرها وكان اذا كره شيئا عرفناه في وجهه.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمود بن غیلان نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے شعبہ نے قتادہ کے حوالہ سے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن ابی عتبہ کو ابوسعید خدریؓ کے حوالہ سے یہ کہتے ہوئے سنا۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ شرم وحیاء میں کنواری لڑکی سے جو اپنے پردہ میں ہو کہیں زائد بڑھے ہوئے تھے۔ جب حضور اکرم ﷺ کو کوئی بات ناگوار ہوتی تو ہم آپ ﷺ کے چہرے سے پہچان لیتے۔ حضور اکرم ﷺ (غایت شرم کی وجہ سے اظہار ناپسندیدگی بھی نہ فرماتے تھے)

راوی حدیث (۳۳۳) عبداللہ بن ابی عتبہؒ کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضور اکرم ﷺ کا مقامِ حیاء :

کان اشد حیاء ...... العذراء دوشیزہ، باکرہ، کنواری اور دوراسلت کو کہتے ہیں

اس کی جمع العذاری آتی ہے۔ سمیت بذلک لعذر وطیھا (مواہب ص ۲۴۲) (عذراء کے ساتھ اس لئے تشبیہ دی جاتی ہے کہ اس کی وطی مشکل اور متعذر ہوتی ہے) یعنی حضور اقدس ﷺ اس کنواری لڑکی سے بھی زیادہ شرم وحیاء رکھتے تھے جو مکان کے اندر ایک مخصوص حصہ میں رہتی ہے۔ خدر پردہ کو کہتے ہیں، وہ پردہ جو لڑکی کے لئے مکان کے ایک گوشہ میں لگا دیا جائے۔ لڑکی کے لئے مکان کا مخصوص حصہ، رات کی تاریکی اور شیر کی جھاڑی کو بھی خدر کہتے ہیں۔ هو ستر يجعل للبكر في جنب البيت تستر به حتى عن بعض اهله (جمع ج ۲ ص ۲۱) (ملا علی قاریؒ خدر کی تعریف یہ کرتے ہیں کہ یہ ایک خاص پردہ جو کمرے کے گوشے میں باکرہ کے لئے بنایا جاتا ہے تاکہ یہ اس میں چھپی رہے تاآنکہ بعض عورتوں سے بھی وہ وہاں چھپی رہتی ہے)

(۱) شارحین حدیث نے اس کا ایک معنی یہ لیا ہے۔ اس سے مراد وہ کنواری لڑکی مراد ہے جو پردہ نشین ہو، اگرچہ کنواری لڑکی میں شرم وحیا طبعاً موجود ہوتا ہے۔ اس لئے شریعت میں اس سے نکاح کی اجازت کے وقت صرف سکوت کو کافی قرار دیا گیا ہے۔

مگر وہ لڑکی جو کنواری بھی ہو اور پردہ نشین بھی، تو ظاہر ہے کہ اس میں حیاء بدرجۂ اتم موجود ہوگا۔ علماء فرماتے ہیں کہ پردہ نشین سے بھی وہ عورت مراد ہے، جس کی تعلیم و تربیت کا اہتمام بھی پردہ ہی میں کیا گیا ہو، جسے باہر گلی کوچوں اور بازاروں میں پھرنے والی خواتین سے دور رکھا گیا ہو۔ ایسی لڑکی جس قدر شرمیلی ہوگی۔ ظاہر ہے اس میں حیاء بھی بدرجۂ اتم ہوگا۔

(۲) دوسرا معنی شارحین حدیث نے یہ لکھا ہے کہ پردہ نشین ہونا شب عروسی یعنی شادی کی پہلی رات سے کنایہ ہے کہ اس رات لڑکی میں شرم وحیاء کی انتہاء ہوتی ہے۔

شیخ عبدالرؤفؒ کا ارشاد :

شیخ عبدالرؤفؒ لکھتے ہیں: وفيه ان الحياء من الاوصاف المحمودة اي مالم ينته الى ضعف او جبن او خروج عن الحق او ترك اقامة حد والا كان مذموما و حياءه صلى الله عليه وسلم كان مبرأ من ذلك كله (مناوی ج ۲ ص ۲۱۷) اور اس

سے ثابت ہوتا ہے کہ حیاء اوصافِ محمودہ میں سے ہے، جب تک اس میں کمزوری، نامردی، حق سے نکلنا اور اقامت حد کا چھوڑنا نہ پایا جائے، اگر یہ چیزیں پیدا ہوں تو پھر مذموم ہے۔ حضور اقدس ﷺ کا حیاء تو ان تمام چیزوں سے کلی طور پر پاک اور منزہ تھا۔

جب حضور ﷺ کو کوئی بات ناگوار ہوتی :

وکان اذا کرہ شیأ اور جب حضور اقدس ﷺ کو کوئی چیز ناگوار خاطر ہوتی تو اس کا اثر رُخِ انور سے معلوم ہو جاتا تھا وکذا العذراء فی خدرھا لا تصرح بکراھۃ الشیء بل یعرف ذلک فی وجھھا فالتعلق بھذا ظھر وجہ ارتباط ھذہ الجملۃ بما قبلھا۔
(مناہب ص ۳۶۲) (اسی طرح وہ کنواری جو پردہ میں ہو وہ بھی اپنی ناپسندی کا اظہار صراحۃً نہیں کرتی بلکہ عموماً طور پر اس کے چہرہ سے معلوم کیا جاتا ہے اور اسی سے اس جملے کے ماقبل سے مربوط ہونے کی وجہ ظاہر ہو گئی)

(۳۴۵/۲) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ مُوْسَى بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَزِيْدَ الْخَطْمِيِّ عَنْ مَوْلًى لِعَائِشَةَ قَالَ قَالَتْ عَائِشَةُ مَا نَظَرْتُ إِلٰى فَرْجِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ قَالَتْ مَا رَأَيْتُ فَرْجَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَطُّ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمود بن غیلان نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے وکیع نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سفیان نے منصور کے حوالے سے خبر دی، انہوں نے اسے موسیٰ بن عبداللہ بن یزید خطمی سے انہوں نے ام المؤمنین عائشہ کے آزاد کردہ غلام سے روایت کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ (حضور اکرم ﷺ کی حیاء اور تستر کی وجہ سے) مجھے کبھی آپ ﷺ کے محلِ شرم دیکھنے کی ہمت نہیں پڑی اور کبھی نہیں دیکھا۔

راوی حدیث (۲۲۳) موسیٰ بن عبداللہؒ کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

حیاءِ کامل کا اکمل نمونہ :

قالت عائشۃ ما نظرت ..... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے کبھی بھی آپ ﷺ کے محلِ شرم پر نظر نہیں کی۔ جب حضور ﷺ کی شرم کی وجہ سے ہمت نہیں پڑی تو خود حضور ﷺ تو کیا دیکھتے اور اصولی بات ہے کہ شرمیلے آدمی کے سامنے دوسرے کو بھی مجبوراً شرم کرنی پڑتی ہے اور دوسری روایت میں باتصریح اس کی بھی نفی ہے کہ نہ حضور ﷺ نے کبھی میرے ستر کو دیکھا نہ میں نے حضور ﷺ کے ستر کو دیکھا اور جب حضرت عائشہؓ باوجودیکہ تمام بیویوں میں سب سے زیادہ بے تکلف تھیں۔ سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ ان کا یہ حال ہے تو اوروں کا کیا ذکر۔ چنانچہ حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ جب حضور ﷺ بیوی سے صحبت کرتے تو آنکھیں بند کر لیتے اور سر جھکا لیتے اور بیوی کو بھی سکون و وقار کی تاکید فرماتے۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ حجروں کے پیچھے جا کر غسل کیا کرتے۔ حضور ﷺ کے محل ستر کو کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔ نبوت سے قبل جب کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی، حضور ﷺ بھی پتھر اٹھا کر لا رہے تھے۔ عرب کے دستور کے موافق کہ ستر کو چھپانے کا کچھ ایسا اہتمام نہ تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے لنگی کو پتھر کے نیچے رکھ لیا۔ اسی وقت بیہوش ہو کر گر گئے۔ حالانکہ شرعی احکام اس وقت تک نازل نہ ہوئے تھے۔ (ملخصاً من المناوی وغیرہ ج۲ ص۲۴۳)

بَابُ مَاجَاءَ فِيْ حِجَامَةِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب! حضور اقدس ﷺ کے پچھنے (سنگیاں) لگوانے کے بیان میں

الحجامة (پچھنے لگوانا) :

الحجامة' پچھنے لگانے کے پیشے کو کہتے ہیں۔ حَجْمٌ سے ہے، جس کا معنی اونچائی بڑھ جانے چوسنے اور روکنے کے ہوتے ہیں۔ حجام پچھنے لگانے والے کو کہتے ہیں۔
الحجامة هي شرط الجلد و اخراج الدم بالمحجمة و هي ما يحجم به۔
(اتحافات ص ۲۹۳) (حجامت کا معنی جلد میں نشتر لگانا اور آلہ حجامت کے ساتھ بدن سے خون نکالنا) ہمارے ہاں بال مونڈنے اور تراشنے والے کو حجام کہتے ہیں۔ ہاں پچھنے لگانے کے لئے لامحالہ حلق کرنا پڑتا ہے، بلکہ حلق لازم ہے اور حالق ہی حجام (پچھنے لگانے والا) ہوتا تھا۔ اس لئے اب عربوں میں بھی حجام حلاق کے معنی میں استعمال ہونے لگا، جبکہ برصغیر کے اردو محاورہ میں تو حجام کہتے ہی حالق کو ہیں۔ پچھنے لگوانا آپ ﷺ سے قولاً اور فعلاً ثابت ہے۔ اطباء نے اس کے بہت سے فوائد ذکر کیے ہیں۔

معالجہ توکل کے منافی نہیں :

باب ھذا میں مصنفؒ نے چھ احادیث ذکر کی ہیں، جن میں پچھنے لگوانے کے مختلف واقعات ذکر کئے گئے ہیں۔ یہ بتانا مقصود ہے کہ آپ ﷺ کے معمولات میں معالجۂ بدن کا علاج اور دوا کا استعمال کرنا بھی ثابت ہے۔ لہٰذا معالجۂ اور دوائی کا استعمال توکل کے منافی نہیں ہے۔ آخر حضور اقدسؐ سے بڑھ کر متوکل اور کون ہو سکتا ہے، مگر اس کے باوجود آپ ﷺ نے پچھنے لگوائے اور بدن کا علاج کرایا۔ شیخ احمد عبدالجواد الدومی فرماتے ہیں، وفي حجامته صلى الله عليه وسلم اقرار لمبدا التداوي والعلاج

ولا منافاة بين الأخذ بالأسباب والتوكل على الله۔ (اتحافات ص ۲۸۳) (اور نبی کریم ﷺ کے پچھنے لگوانے میں دوا اور علاج و معالجہ کرنے اور کروانے کی اصل اور بنیاد کو تسلیم کرتا ہے۔ اور اسباب و ذرائع کے استعمال کرنے اور اللہ تعالیٰ کی ذات ہی پر توکل کرنے میں کوئی منافات نہیں)

البتہ علامہ مناویؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ نعم تركه توكلا فضيلة و لا ينافيه فعل المصطفى وهو سيد المتوكلين لانه انما فعله للتشريع كما تقرر (مناوی ج۲ ص ۲۳) (ہاں اسباب کو چھوڑ کر صرف ذات خداوندی پر توکل اور بھروسہ کر لینے میں فضیلت ضرور ہے۔ اور آپ ﷺ کا اسباب کو استعمال کرنا حالانکہ آپ ﷺ تو متوکلین کے سردار اور رہنما ہیں کیونکہ آپ ﷺ کا عمل امت کو ایک حکم شرعی بتانے کی ہدایت ہے)

توکل کی حقیقت :

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ تحریر فرماتے ہیں :

ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اپنے اُس رسالہ میں جس میں اپنے مبشرات کو جمع کیا ہے اور اپنے بہت سے مکاشفات اور حضور اقدس ﷺ سے خوابوں میں جو سوالات کیے ہیں، ذکر کیے ہیں۔ لکھا ہے کہ میں نے ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ سے روحانی سوال کیا کہ اسباب کے اختیار کرنے میں اور اسباب کے ترک کرنے میں کون سی چیز افضل ہے۔ تو مجھ پر حضور اقدس ﷺ کی طرف سے ایک روحانی فیض ہوا، جس کی وجہ سے اسباب و اولاد و غرض ہر چیز سے طبیعت سرد پڑ گئی۔ اُس کے بعد میری طبیعت پر ایک انکشاف ہوا، جس کا اثر یہ ہوا کہ طبیعت تو اسباب کی طرف متوجہ ہے اور روح تسلیم و تفویض کی طرف مائل ہے۔ فقط۔ حق یہ ہے کہ یہی اصل توکل ہے کہ اسباب کو بالکل غیر مؤثر سمجھیں۔ اسباب میں تاثیر بھی اللہ تعالیٰ جل شانہٗ ہی کی طرف سے ہے۔ اُس کی مشیت کے بغیر اسباب بھی کچھ نہیں بنا سکتے ....

از قضا سرکنگبین صفرا فزود   روغن بادام خشکی مے نمود

مقدرات الٰہیہ کے سامنے کسی کا بھی بس نہیں ہے۔ سرکہ کے استعمال سے صفرا

بڑھ جائے اور بادام روغن کے استعمال سے خشکی ہونے لگے۔ حضرت اقدس شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے ایک دوسرے رسالہ میں ہے کہ یہ اسباب کا مسئلہ من جملہ اُن تین وصیتوں کے ہے، جن کی حضور اقدس ﷺ نے وصیت فرمائی اور شاہ صاحبؒ کو طبعی رجحان کے خلاف پر مجبور کیا گیا۔ دوسرا تفضیل شیخین کا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر اور تیسرا مسئلہ تقلید کے نہ چھوڑنے کا ہے کہ شاہ صاحب کا میلان تقلید کے چھوڑنے پر تھا مگر مجبور کیا گیا کہ کسی ایک امام کی تقلید ضرور کریں۔ تفصیل کا یہاں محل نہیں ہے۔ شاہ صاحبؒ کے رسائل فضل مبین اور فیوض الحرمین سب میں یہ دو تفصیلات ہیں۔ (خصائل)

(۳۳۶/۱) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ حُمَيْدٍ قَالَ سُئِلَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنْ كَسْبِ الْحَجَّامِ فَقَالَ أَنَسٌ احْتَجَمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَجَمَهُ أَبُو طَيْبَةَ فَأَمَرَ لَهُ بِصَاعَيْنِ مِنْ طَعَامٍ وَكَلَّمَ أَهْلَهُ فَوَضَعُوا عَنْهُ مِنْ خَرَاجِهِ وَقَالَ إِنَّ أَفْضَلَ مَا تَدَاوَيْتُمْ بِهِ الْحِجَامَةُ أَوْ إِنَّ مِنْ أَمْثَلِ دَوَائِكُمُ الْحِجَامَةَ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن حجر نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے اسمٰعیل بن جعفر نے حمید کے حوالے سے بیان کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کسی نے سینگی لگانے کی اجرت کا مسئلہ پوچھا کہ جائز ہے یا نہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ ابو طیبہ نے حضور اکرم ﷺ کو سینگی لگائی تھی۔ آپؐ نے دو صاع کھانا (ایک روایت میں کھجور بھی آیا ہے) مرحمت فرمایا اور ان کے آقاؤں سے سفارش فرما کر ان کے ذمہ جو محصول تھا، اس میں کمی کرادی اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ سینگی لگانا بہترین دوا ہے۔

حضور ﷺ کے حجام ابو طیبہ کا تذکرہ :

ابو طیبة : اسمه نافع و کان مملوکا لبنی حارثة او لابی مسعود الانصاری۔ (اتحافات ص ۳۹۳) و حکی الحافظ ابن حجر من قال کالعروی لبنی بیاضة اسمه نافع علی الصحیح و قول البغوی میسرة رد بانه اشتبه علیه باسم ابی جمیلة الراوی حدیث الحجامة و قول ابن عبد البر اسمه دینار وهمه فیه لان دینارا الحجام تابعی روی عن

ابی طیبة لا ابو طیبة نفسه انتهی۔ (مناوی ج ۲ ص ۲۸۷)

منشأ سوال :

سئل انس بن مالک ...... حضرت انس بن مالکؓ سے پچھنے لگوانے کی مزدوری سے متعلق دریافت کیا گیا کہ پچھنے لگوانے کا کسب اور اس پر اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟ بعض شارحینؒ نے فرمایا ہے کہ شاید یہ سوال اس لئے کیا گیا ہو کہ اس پیشہ کی خباثت میں کسب الحجام خبیث وارد ہوا ہے۔ لہٰذا پوچھنے والے نے یہ وہم کیا کہ شاید حجام کو اجرت دینی جائز نہیں۔ و لعل الباعث علی هذا السوال ورود الخبر بخبث کسب الحجام (اتحافات ص ۳۹۳) (اور شاید کہ اس پوچھنے اور سوال کی غرض حدیث میں حجام کے کسب واجرت کی خباثت کا تذکرہ ہوا ہے)

طبعی کراہت سے حرمت لازم نہیں آتی :

حضرت انسؓ نے جواب میں گویا کسب الحجام جائز (کہ حجام کی اجرت کے جواز کا فتویٰ صادر فرمایا۔ دونوں کی تطبیق میں مختلف اقوال منقول ہیں۔ راجح یہ ہے کہ خبیث کے معنی "حرمت" سے عام ہیں، جو طیب کی ضد ہے۔ ناپسندیدہ چیز کو بھی خبیث کہتے ہیں۔ گویا احیانا کوئی حجامت کرے تو جائز ہے، لیکن چونکہ اس میں میل کچیل سے تلبس ہوتا ہے۔ اس لئے آپ ﷺ اس قسم کے پیشوں کو ناگوار رکھتے تھے۔ اس طبعی کراہت سے نہ حرمت لازم آتی ہے نہ کراہت، بلکہ خلافا آپ ﷺ نے خود پچھنے لگوائے ہیں۔

حجام کو اجرت دینا مباح ہے :

فقال انس ..... حضرت انسؓ نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ نے پچھنے لگوائے اور یہ پچھنے آپ ﷺ کو ابو طیبہ نے لگائے تھے، جنہیں آپ ﷺ نے دو صاع طعام دینے کا حکم فرمایا تھا۔ ابو طیبہ کا نام نافع ہے، جو محیصہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ یہ پچھنے لگانے کا کسب اختیار کئے ہوئے تھے۔ وہ جب پچھنے لگا چکے تو بارگاہ نبوت سے انہیں دو صاع طعام عنایت فرمانے کا امر صادر ہوا۔ صاع میں علماء کا اختلاف ہے۔ فقہاء حنفیہؒ کے نزدیک

تقریباً چار سیر وزن کا ایک صاع ہوتا تھا۔ اس لحاظ سے انہیں گویا آٹھ سیر طعام دیا گیا۔ فدل ذلک علی حله لانه لو کان حراما لم یعطه وما ورد من النهی عنه فهو للتنزیه و هو المراد بکونه خبیثا ۔ (مواہب ص ۳۶۵) (تو حضور ﷺ کی طرف سے دو صاع کے دینے میں حجام کو اجرت دینے کا جواز اور حلت معلوم ہو رہی ہے کیونکہ اگر اس کو اجرت دینا حرام ہوتا تو آپ ﷺ اس کو دینے کا حکم نہ فرماتے اور حدیث میں اس سے جو منع کا ذکر ہے تو وہ نہی تنزیہی پر محمول ہے اور حدیث میں لفظ خبیث سے یہی مراد ہے) ایک روایت میں دو صاع کھجور دینا بھی آیا ہے۔ و زاد فی روایة من تمر (مواہب ص ۳۶۵) معلوم ہوا کہ حجام کو اجرت دینا مباح ہے، ورنہ آپ ﷺ اسے کسی چیز کے دینے کا حکم صادر نہ فرماتے۔

غلاموں کے ساتھ حُسنِ سلوک :

و کلم اهله ...... حضور اقدس ﷺ نے اس کے مالک سے گفتگو کر کے اس پر محصول میں کمی کروادی۔ ای کلم سیده منهم فی تخفیف عنه (مواہب ص ۳۶۵) ابو طیبہ کے آقا کا نام محیصہ بن مسعود تھا، وہ اپنے مالک کو روزانہ تین صاع کھجور ادا کیا کرتا تھا اور اسی شرط پر مالک نے اسے چھوڑ دیا تھا یعنی عبد ماذون بنا دیا تھا، وہ کما تا محنت مزدوری کرتا تین صاع تو مالک کو ادا کرتا۔ مزید جو بچ رہتا وہ غلام کا ہوتا۔ حضور اقدس ﷺ کی سفارش سے اس کے مالک نے ایک صاع معاف کر دیا اور دو صاع کھجور لینا منظور کر لیا اس سے بے بس لاچار اور غلاموں پر آپ ﷺ کی شفقت و محبت کا انداز بھی لگایا جا سکتا ہے۔ اپنے جذبہ صادق کا اظہار مظلوم غلام کی حمایت و امداد اور بھرپور حمایت کی صورت میں ظاہر فرمایا۔ علامہ زرقانی فرماتے ہیں: وهذا یفید شفقة رسول الله صلی الله علیه وسلم بالحجام۔ (مواہب ص ۵۱۲)

پچھنے لگوانا گرم علاقوں کے ساتھ خاص ہے :

وقال ان افضل ...... یقیناً بہتر علاج جو تم کرتے ہو وہ پچھنے لگوانا ہے۔ بعض

شارحین اور علماء و محدثین رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ یہ حکم حرمین شریفین کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے، وہ اکثر کھجوریں کھاتے ہیں اس سے خون بنتا ہے، جو پچھنے لگوانے سے خارج ہو سکتا ہے۔ اس لئے ان کے لئے یہ حکم فرمایا اور ایسے لوگوں کے لئے پچھنے لگوانا مستحب ہے
شیخ احمد عبدالجواد الدومی فرماتے ہیں: ولعل هذه الافضلیة تتبع الزمان والمکان فالاجواء الحارة یناسبها الحجامة و غیر الاجواء الحارة تتداوی بما یناسبها۔ (اتحافات ص ۳۹۳) (اور شاید کہ (پچھنے لگوانے) کی افضلیت کا مدار زمان و مکان اور آب و ہوا کی حیثیت سے ہو۔ پس جن علاقوں کی فضا گرم ہو ان میں حجامت کرنا زیادہ مناسب ہو اور جو علاقے گرم نہ ہوں ان میں ان کے مناسب علاج و معالجہ سے کام لیا جائے) اطباء نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ لوگ جو سرد مزاج ہیں اور سرد ممالک میں رہتے ہیں ضرورت پڑنے پر فصد ان کے لئے مفید ہے وفصل البلاد الباردة الفصد لهم اولی (مواہب ص ۳۶۵) (اور ٹھنڈے سرد علاقوں کے لئے فصد (رگ سے نشتر کے ذریعے خون نکالنا) بہتر ہے)

اخذِ مسائل :

علامہ باجوری فرماتے ہیں: ویؤخذ من الحدیث التداوی بل سنه واعطاء الاجرة للطبیب والشفاعة عند رب الدین (مواہب ص ۳۶۶) (حدیث شریف سے علاج و معالجہ اور اس کے طریقے اور طبیب و ڈاکٹر کی اجرت اور ان کے قرض خواہ سے اس کی سفارش کا جواز معلوم ہوتا ہے)

(۲۷۳/۲) حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ حَدَّثَنَا وَرْقَاءُ بْنُ عُمَرَ عَنْ عَبْدِ الْأَعْلَى عَنْ أَبِي جَمِيلَةَ عَنْ عَلِيٍّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ وَأَمَرَنِي فَأَعْطَيْتُ الْحَجَّامَ أَجْرَهُ ۔

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں عمرو بن علی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابوداؤد نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ورقاء بن عمر نے عبدالاعلیٰ کے حوالے سے یہ روایت بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت ابو جمیلہ سے اور انہوں نے حضرت علیؓ سے نقل کی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ سینگی لگوائی اور مجھے اس کی مزدوری دینے کا حکم فرمایا، میں نے اس کو ادا کیا۔

راویان حدیث (۶۲۳) ورقاء بن عمرؒ اور (۶۲۵) ابی عبد الرحمٰن کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

پچھنے لگوانے میں حضرت علیؓ کی تصدیق :

عن علی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ...... پچھنے لگوانا حضور اقدس ﷺ سے قولاً بھی اور فعلاً بھی ثابت ہے۔ امیر المومنین حضرت علیؓ نے بھی پچھنے لگوانے اور حجام کو مزدوری دینے کی تصدیق کر دی اس حدیث سے بھی دونوں باتیں ثابت ہو گئیں، پچھنے لگوانا اور حجام کو مزدوری دینا۔ فاعطیت الحجام اجرہ ای وھو الصاعان المشتھان (مواہب ص ٣٢٦) (میں نے حجام کو اس کی مزدوری دے دی یعنی دو صاع ساتھ)

(۳۴۸/۳) حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ إِسْحَاقَ الْهَمْدَانِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ عَنْ جَابِرٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ عَلَى الْأَخْدَعَيْنِ وَبَيْنَ الْكَتِفَيْنِ وَأَعْطَى الْحَجَّامَ أَجْرَهُ وَلَوْ كَانَ حَرَامًا لَمْ يُعْطِهِ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ہارون بن اسحٰق ہمدانی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدہؒ نے سفیان ثوری سے جابر کے واسطے سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت شعبی اور انہوں نے اسے عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے گردن کی دونوں جانب پچھنے لگوائے اور دونوں شانوں کے درمیان اور اس کی اجرت بھی مرحمت فرمائی۔ اگر ناجائز ہوتی تو حضور اکرم ﷺ کیسے مرحمت فرماتے۔

پچھنوں پر اُجرت کی روایات میں تطبیق :

عن ابن عباسؓ ...... چونکہ سینگی لگانے میں منہ سے خون کھینچنا پڑتا ہے۔ اس

وجہ سے بعض احادیث میں اس کمائی اور اس پیشہ کی برائی آئی ہے۔ بعض روایتوں میں اس کی کمائی کو خبیث فرمایا گیا ہے، جس کی بناء پر بعض علماء اس کی اُجرت کو ناجائز فرماتے ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ دونوں روایتوں میں اس طرح جمع کرتے ہیں کہ ممانعت کی روایت کو آزاد لوگوں کے حق میں بتاتے ہیں اور اجازت کی روایات کو غلاموں کے حق میں اور چونکہ ابو طیبہ بھی غلام تھے۔ اس لئے اجرت دینے میں کوئی اشکال نہیں۔ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ خبیث اس لئے فرمایا کہ یہ ایک مسلمان کی ضرورت ہے، جس کی اعانت دوسرے مسلمانوں پر واجب ہے۔ اس لئے بلا اُجرت سینگی لگانا چاہیے تھا۔

علامہ ابن عربیؒ توجیہ کی یہ صورت بیان کرتے ہیں، کہ محل جواز یہ ہے کہ اجرت معلوم ہو اور محل حرمت کہ اجرت معلوم نہ ہو، غرض علماء اس بارے میں مختلف ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ حضور اکرم ﷺ کے اس فعل سے جواز پر استدلال کرتے ہیں کہ اگر یہ ناجائز ہوتی تو حضور اقدس ﷺ کیوں مرحمت فرماتے۔

الاخدعین : تثنیہ ہے اس کا واحد اخدع آتا ہے، گردن کی رگ کو کہتے ہیں۔ گردن کی دونوں پہلوؤں پر پوشیدہ رگوں کا نام ہے۔ ھما عرقان فی جانبی العنق۔ (مواہب ص ٣٢٦) اس لئے عرب کہتے ہیں، فلان شدید الاخدع یعنی فلاں بڑا گردن کش ہے۔

(۳۴۹/۳) حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ إِسْحَاقَ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا حَجَّامًا فَحَجَمَهُ وَسَأَلَهُ كَمْ خَرَاجُكَ فَقَالَ ثَلَاثَةُ آصُعٍ فَوَضَعَ عَنْهُ صَاعًا وَأَعْطَاهُ أَجْرَهُ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ہارون بن اسحٰق نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدہؒ نے ابن ابی لیلیٰ کے حوالے سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت نافع سے اور انہوں نے عبداللہ بن عمر سے نقل کی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک سینگی لگانے والے کو بلایا جس نے آپ ﷺ کے سینگی لگائی۔

حضور اکرم ؐ نے اُن سے ان کا روزانہ کا محصول دریافت فرمایا تو انہوں نے تین صاع بتلایا۔ حضور اکرم ﷺ نے ایک صاع کم کرا دیا اور سینگی لگانے کی اجرت مرحمت فرمائی۔

راوی حدیث (۶۲۶) ابن ابی لیلیٰ ؒ کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

اس روایت میں بھی اسی اخدعین کا ذکر ہے۔ جن کا تذکرہ باب کی پہلی روایت میں ہو چکا ہے اور حدیث کی شرح بھی ہو چکی ہے۔

(۳۵۰/۵) حَدَّثَنَا عَبْدُ الْقُدُّوسِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْعَطَّارُ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ وَ جَرِيْرُ بْنُ حَازِمٍ قَالَا حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يَحْتَجِمُ فِي الْأَخْدَعَيْنِ وَالْكَاهِلِ وَ كَانَ يَحْتَجِمُ لِسَبْعَ عَشْرَةَ وَ تِسْعَ عَشْرَةَ وَ إِحْدٰى وَ عِشْرِيْنَ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں عبدالقدوس بن محمد عطار بصری نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عمرو بن عاصم نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ہمام اور جریر بن حازم نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت قتادہ نے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ کے حوالے سے بیان کی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ گردن کی دونوں جانبوں میں اور ہر دو شانوں کے درمیان سینگی لگواتے تھے اور عموماً ۱۷، یا ۱۹، یا ۲۱ تاریخ میں اس کا استعمال فرماتے تھے۔

راوی حدیث (۶۲۷) عبدالقدوس بن محمد ؒ کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

پچھنے کہاں لگواتے تھے :

قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم یحتجم فی الاخدعین ...... یعنی حضور اقدس ﷺ گردن کی دونوں رگوں کی جانب اور کندھوں کے درمیان پچھنے لگواتے

تھے۔ کاہل گردن کے قریب پیٹھ کے بالائی حصہ کو کہتے ہیں ۔ اس کی جمع کواہل آتی ہے یعنی دونوں کندھوں کے درمیان، و ھو مقدم اعلی الظھر ممایلی العنق وھو الثلث الاعلی و فیہ ست فقرات و قیل ما بین الکتفین و قیل الکتد و قیل موصل العنق قال ابو زید ھو للانسان خاصۃ و یستعار لغیرہ (مناوی ج ۲ ص ۲۲۳) (علامہ مناویؒ کاہل کی تعریف میں لکھتے ہیں کہ وہ پیٹھ کے بالائی حصہ کا مقدم (اگلا) حصہ جو کہ گردن سے ملا ہوا ہوتا ہے اور وہ تہائی بالا ہے اور اس میں چھ گرہے (نشانات) ہیں اور بعض نے کہا کہ دو کندھوں کی درمیانی جگہ بعض اس کی تعبیر کتد سے کرتے ہیں اور بعض نے کہا کہ وہ گردن کی ملاپ کی جگہ ہے ابوزیدؒ کہتے ہیں کہ یہ دراصل تو انسان کے ساتھ خاص ہے البتہ اس کے علاوہ میں بھی بطور استعارہ کے استعمال ہوتا ہے)

پچھنے لگوانے کے خاص ایام :

و کان یحتجم لسبع عشرۃ ...... اور حضور اقدس ﷺ ۱۷، ۱۹، اور ۲۱ تاریخ کو پچھنے لگواتے تھے۔ شیخ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ان مذکورہ تواریخ کے باب میں بہت احادیث وارد ہیں۔ یہاں تک کہ آنحضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ ان تواریخ میں پچھنے لگوانا بیماری سے صحت و شفا کا باعث ہے۔

علماء نے فرمایا کہ حجامت کرنا ہفتہ کے دن اور بدھ کے دن مکروہ ہے اور برص کی بیماری پیدا ہونے کا باعث ہے۔ اور ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور سرور کونین ﷺ سے میں نے سنا ہے کہ حضور اقدسؐ نے فرمایا پچھنے لگوانا قوت حافظہ اور عقل کی زیادتی کا باعث ہے۔ لہٰذا اللہ جل جلالہ کا اسم پاک لے کر پچھنے لگوایا کرو اور جمعرات، جمعہ، ہفتہ اور اتوار کو پچھنے نہ لگوایا کرو، مگر ہاں پیر کے دن پچھنے لگوایا کرو، جذام اور برص تو بدھ کے دن ہوتی ہے اور ابوداؤد کی روایت ہے کہ منگل کے دن پچھنے لگوانا مکروہ ہے ۔

شیخ ابن حجرؒ نے فرمایا یقیناً احادیث سے ظاہر ہو گیا کہ دنوں میں بہتر دن پچھنے لگوانے کے لئے پیر کا دن ہے، جبکہ ۱۷، ۱۹، یا ۲۱ کو یہ دن آئے ۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں :

ان تاریخوں کی اور بھی بعض روایتوں میں خصوصیت آئی ہے۔ اطباء کا قول بھی اس کے موافق ہے۔ ابن سینا سے نقل کیا گیا ہے کہ سینگی لگانا مہینے کے شروع میں اور ختم میں اچھا نہیں ہے، بلکہ مہینے کے وسط میں ہونا چاہئے۔ اس روایت سے حضور اقدس ﷺ کا کثرت سے بار بار مختلف ایام میں سینگی لگوانا معلوم ہوتا ہے اور بھی جو روایات اس باب میں ذکر کی جارہی ہیں۔ ان سے مختلف مقامات پر سینگی کا لگانا معلوم ہوتا ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ یہود نے خیبر میں حضور اکرم ﷺ کو زہر قاتل کھلا دیا تھا، جو نہایت سخت تھا اور مقصد یہ تھا کہ حضور اکرم ﷺ کے وصال سے یہ ضلالت کا قصہ ہی ختم ہو جائے گا۔ اگرچہ اس گوشت کو جس میں زہر تھا، حضور اکرم ﷺ نے پورا نوش نہ فرمایا تھا، مگر جس قدر کھایا گیا تھا، اس کا اثر یہ تھا کہ وہ سمیت مختلف اوقات میں بالخصوص گرمی کے زمانے میں بار بار عود کر آتی تھی اور جس جانب مادّے کا زور ہوتا تھا، اسی جانب حضور اکرم ﷺ کو سینگی کے استعمال کی ضرورت ہوتی تھی اور سمّی مادّہ چونکہ خون میں حلول کرتا ہے اور وہ سارے بدن میں سرایت کرتا ہے، اس لئے مختلف مقامات پر اس کا زور ہوتا تھا۔ (خصائل)

خلاصۂ بحث :

خلاصہ یہ کہ ان تاریخوں کو دوسری علاج میں دخل ہے، کیونکہ باری تعالیٰ نے خون کی کثرت اور قلت میں قمر کا اثر رکھا ہے، جیسے جوار بھاٹا اس کی وجہ سے ہوتا ہے، حالانکہ بظاہر کوئی مناسبت معلوم نہیں ہوتی۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نجوم کے اثر کو مان لیا گیا، کیونکہ قمر کو عرف میں نجم نہیں کہتے اور اس کے اثرات یقینیہ ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے رکھے ہیں۔

(۲۵۱/۲) حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ بِمَلَلٍ عَلٰى ظَهْرِ الْقَدَمِ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں اسحٰق بن منصور نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عبدالرزاق نے معمر کے حوالے سے اس کی خبر دی۔ انہوں نے یہ روایت قتادہ سے

اور انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے موضع ملل میں (جو کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک جگہ ہے) حالت احرام میں پشت قدم پر سینگی لگوائی۔

پچھنے لگوانے میں جغرافیائی اثرات :

ان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم احتجم ...... حالت احرام میں سینگی لگوانا بعض ائمہ کے نزدیک مکروہ ہے، لیکن حنفیہ کے نزدیک جائز ہے، بشرطیکہ بال نہ اکھڑیں ...... فیہ حل الحجامۃ للمحرم حیث لازالۃ شعر والا حرمت بلا ضرورۃ (مناوی ج۲ ص ۲۲۳) ان روایات میں سینگی کا استعمال کثرت سے نقل کیا گیا ہے اور بھی احادیث کی کتابوں میں سینگی کا استعمال حضور اکرم ﷺ کے قول اور فعل دونوں سے نقل کیا گیا ہے اور فصد کا استعمال نقل نہیں کیا گیا۔ حالانکہ اطباء کے نزدیک فصد بہ نسبت سینگی کے زیادہ نافع ہے اور بہت سے امراض میں اکسیر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں علی الاطلاق نافع نہیں ہیں، بلکہ ان میں تفصیل ہے۔

حجاز کا ملک گرم ہے۔ اس ملک کے لئے سینگی زیادہ مناسب ہے۔ اس لئے کہ موسم کے گرم اور سرد ہونے سے مزاجوں میں بے حد تفاوت ہو جاتا ہے۔ گرم ملکوں میں اور اسی طرح دوسرے ملکوں میں گرمی کے زمانے میں حرارت بدن کے ظاہری حصہ پر آجاتی ہے اور باطنی حصہ میں برودت کا اثر ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ گرمی کے زمانے میں پسینہ کی کثرت ہوتی ہے اور باطنی برودت کی وجہ سے کھانے کے ہضم میں دیر لگتی ہے اور مختلف امراض پیدا ہوتے ہیں۔ بخلاف سرد ملکوں کے اور اسی طرح سے سردی کے زمانے میں دوسرے ملکوں میں آدمی کی حرارت ماحول کی سردی کی وجہ سے اندرون بدن میں چلی جاتی ہے، جس کی وجہ سے ہضم میں قوت پیدا ہوتی ہے۔ پیشاب میں بھاپ نکلتی ہے۔ امراض میں کمی ہوتی ہے۔ اسی لئے بقراط کا مقولہ ہے کہ سردی کے موسم میں اندرون بدن گرم زیادہ ہوتا ہے اور نیند زیادہ آتی ہے اور کھانا بسہولت ہضم ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ثقیل غذائیں سردی میں بسہولت ہضم ہو جاتی ہیں اور گرمی میں بدقت۔

اسی وجہ سے اہل حجاز کو شہد، کھجور وغیرہ گرم چیزوں کے استعمال سے نقصان نہیں ہوتا ۔ سینگی میں خون چونکہ ظاہر بدن سے نکلتا ہے اور حجاز میں ظاہر بدن پر حرارت زیادہ ہوتی ہے ، اسلئے سینگی وہاں کے لئے زیادہ مناسب ہے اور فصد میں اندرون بدن سے اور رگوں سے خون کھینچتا ہے ، اس لئے فصد وہاں کے لئے مناسب نہیں ہے ۔ اسی لئے حضور اکرم ﷺ کے استعمال میں یہ منقول نہیں ہے ۔ (خصائل) علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے جغرافیائی اثرات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے آخر میں یہ لکھا ہے کہ :

و قال صاحب الهدى المحقق في امر الفصد و الحجامة انهما يختلفان باختلاف الزمان و المكان والمزاج والحجامة في الازمان الحارة والاماكن الحارة والابدان الحارة التي دم اصحابها في غاية النضج انفع و الفصد بالعكس ولهذا كانت الحجامة انفع للصبيان و لمن لا يقوى على الفصد و يؤخذ من هذا ايضا ان الخطاب لغير الشيوخ لقلة الحرارة في ابدانهم و قد اخرج الطبراني بسند صحيح الى ابن سيرين قال اذا بلغ الرجل اربعين سنة لم يحتجم (جمع ج۲ ص۲۲۰) (صاحب الہدیٰ حجامت اور فصد کی تحقیق کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ دونوں زمان و مکان اور مزاج کے مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف اثر رکھتے ہیں ۔ اور حجامت (پچھنے) گرمی کے موسم اور گرم علاقوں اور گرم مزاج والوں (جن کا خون انتہائی پختہ اور گاڑھا ہوتا ہے) کے لئے انتہائی مفید ہے اور فصد (رگ کھولنا) اس کے برعکس ہے (یعنی وہ سردی کے موسم سرد علاقوں اور سرد مزاج والوں کے لئے مفید تر ہے) اس لئے تو حجامت (پچھنے) چھوٹے بچوں اور جو لوگ رگ کھولنے (نشتر کے ذریعے خون نکالنے) کی طاقت نہ رکھتے ہوں کے لئے زیادہ نافع ہے ۔

اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حجامت اور فصد کا حکم بوڑھے لوگوں کے علاوہ دوسرے لوگوں کو ہے ۔ کیونکہ ان کے بدن کی حرارت بہت کم ہوتی ہے ۔ طبرانیؒ نے سند صحیح کے ساتھ امام ابن سیرینؒ سے روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب ایک شخص چالیس سال کی عمر کو پہنچ جائے تو وہ پھر پچھنے نہ لگوائے) ۔

==============================